

تفصیلات

نام کتاب:	زندگی نہ ملے گی دوبارہ
مصنف:	مفتی محمد عفان عباسی
مصنف کا فون نمبر:	9931847198
ای میل:	affanabbasi1994@gmail.com
کمپوزنگ:	محمد عثمان عباسی، محمد فیضان عباسی
سن اشاعت:	1435-2013ھ
صفحات:	176

1

زندگی

نہ ملے گی دوبارہ

مصنف

محمد عفان عباسی

ابن

حضرت الحاج ماسٹر محمد عباس خان صاحب مد اللہ ظلہ السامی

معاون خاص

ظہیر احمد فیصل

فہرست

عناوین	صفحہ نمبر
انتساب	6
مقدمہ	7
سر نوشت	7
تمہید	17
مہارت کا استعمال	18
سوچ کا فرق	22
اپنا مزاج....	25
صلاحیتیں اور مہارتیں	27
آپ کا سلوک کیسا ہو؟	30
غریب و ضعیف	34
عورتیں	37
بچے	38
مخالفین اور دشمن	41
بشاشت اور مسکراہٹ	43
مزاج کے موافق	46
شان و حالت کی رعایت	49
لوگ زمین کی طرح ہیں	55
الگ مزاج الگ خیال	57

مزاج کی شناخت	59
نفسیات کی رعایت	63
کیا اپنا مزاج بدلنا ممکن ہے	66
غصہ + غصہ = پریشانی	67
آگ بھڑکانے اور بجھانے کی صلاحیت	69
پہلی ملاقات	71
میری زندگی نے مجھے سکھایا ہے	74
لوگوں کی قیمت	75
آپ کے لئے	79
الشیء اذا زاد عن حده	83
مہارت کا غلط استعمال	84
جو چیزیں آپ کے مطلب کی نہیں	87
ان کے ساتھ کیسا معاملہ کریں؟	90
مکھی اور شہد کی مکھی	94
اگر کوئی غلطی کرے....؟	95
اپنی بات منوانے کا سب سے بہتر طریقہ	97
دشمن نہ بنائیں	99
اس طرح	103
نام یاد رکھنا	110
آپ کے ہدیہ کا بدلہ	111
ملا مت	113

انتساب

☆ شجر حیات کی اس شہر دار ٹہنی کے نام جس کے لہو کے قطروں سے میری زندگی کی کوئیل پھٹی، جس کے قوس قزح کے ساتوں رنگوں کا امتزاج میرے خون کے ذرے ذرے میں موجود ہے، یعنی میری پیاری اور اچھی مُمی (Mom) جان۔ میں اُن سے بے حد محبت کرتا ہوں۔

☆ دور اندیشی میں معروف، مصلحت آمیزی میں مشہور، لوگوں کو اپنے معاملات کی صفائی اور اخلاق کی شائستگی سے گرویدہ بنانے والے، معاملات و تعامل میں بے مثال میرے ابا جان کے نام۔

☆ نسیم صبح سے زیادہ صاف کردار والے آقا کے قدموں میں جس نے مکہ و طائف کے ظالموں کے لئے بھی بددعا کے بجائے ہدایت کی دعاء کی، جس نے اپنے بلند و بالا اخلاق سے لوگوں کو اپنا جاں نثار بنایا، جس کے ایک اشارے پر ہزاروں جانیں قربان، اگر اس کے اخلاق کا ایک ذرہ بھی مضبوط پہاڑ پر ڈال دیا جائے تو وہ شرافت سے ریزہ ریزہ ہو جائے، اگر مجھے پوری انسانیت کی جملہ بلاغات و طلاقات دے دی جائیں، میں نظم و نثر کے سمندر میں فناء ہو جاؤں تو بھی اُن کے اخلاق و تعامل کے کسی ایک پہلو کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنا سکتا۔

سلام اس مسیحا پر جس نے نفرت کے ماروں کو محبت کا جام پلایا، جس کے اخلاق کی مدح سرائی خود اللہ پاک نے کی کہ: آپ بہت ہی بلند اخلاق پر فائز ہیں۔

118	چشم پوشی
121	آپ کی بات بے اثر
122	چھوٹے چھوٹے امور
125	لا تاسوا علی ما فاتکم
126	ہائے افسوس
127	پہلے معذرت کر دینا
131	پوشیدہ عبادت
134	عطاء بخشش
135	راز کی بات
136	ضرورتیں پوری کرنا
137	ڈنک مارنے والا انسان
139	زبان کی ٹھوکر
141	جادو
144	دونوں آنکھوں سے دیکھیں
146	آپ بھی سنیں
149	ہر بات کا جواب
152	ہر بات کی پرواہ
154	مذاق
156	دعاء
158	خلاصہ کلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرِ نوشت

دنیا کی اس ترقی یافتہ مخلوق جسے انسان کہا جاتا ہے؛ کو بہت سے جاندار شیر، ہاتھی، بھیڑیا وغیرہ (جو کہ طاقت میں انسان سے کہیں بڑھ کر اور بہت سی خصوصیات میں اس سے کہیں بالاتر ہیں) پر نطق و تمیز، معرفت و آگہی، عقل و ادب، زمین پر اس کا تسلط قائم کر کے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے کر فضیلت و کرامت اور برتری عطا کی گئی ہے۔

اگر اس فضیلتِ عظمیٰ کے تقاضہ پر غور کیا جائے تو یہ نتیجہ ظاہر ہوگا کہ انسان کا ہدف اصلی اور اساس بنیادی درحقیقت اپنی ذات کو اچھے اخلاق و افعال سے آراستہ و پیراستہ کرنا ہے۔

”حُلُق و اخلاق“ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا نفس اس بات کا عادی بن جائے اور اسے اس پر اتنا رسوخ حاصل ہو جائے کہ وہ غور و فکر کے بغیر ہی اپنی ذات سے کسی عمل کو وجود میں لادے۔ چنانچہ اگر صادر ہونے والی اور وجود پذیر ہونے والی چیز اچھی اور نیک ہے تو اس کو اچھے اخلاق سے موسوم کیا جاتا ہے، لیکن اگر خدا نخواستہ وہ شئی بُری اور شر کے امور میں سے ہے تو اسے بُرے اخلاق کا نام دیا جاتا ہے۔

دین اسلام میں اچھے اخلاق کا اس قدر حصہ ہے کہ اگر مجھ سے اسلام کا سب سے حسین و خوبصورت فلسفہ پوچھا جائے تو میں بلا تردد کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک جملہ میں موجود اور مکمل ہے ”حُسنِ اخلاق“

4

جس قوم نے بھی اپنے آپ کو اچھے اخلاق سے مزین کیا ہے، اپنی عادتوں کو قابلِ ستائش بنایا ہے، بلاشبہ وہ اوجِ ثریا کو پہنچی ہے، گرچہ وہ تعداد میں کم اور حکومت و سلطنت میں تنگ تھی، مالداری اور سرمایہ داری میں وہ بہت آگے نہیں تھی، انھیں زرع و ضرع میں دلچسپی و مہارت حاصل نہیں تھی، پھر بھی انھوں نے بلند و بالا اخلاق سے آراستہ ہو کر اس دنیا میں ارتقاء و بلندی حاصل کی اور آخرت میں بھی سرخروئی کے مستحق بنے۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد اور اس کی غرض و غایت اخلاق کو سنوارنا ہی تھا، نبی کریم ﷺ کی زبان حق ترجمان کا فرمان ہے ”انما بُعثْتُ لأتمم مکارمِ الاخلاق“ (مسندِ بزار: 8949) کہ میں مکارمِ اخلاق کو مکمل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

شاید آپ حیرت و استعجاب کے عالم میں ہوں گے کہ آپ ﷺ کی بعثت و نبوت کا ہدف اصلی صرف ضبطِ اخلاق کیوں کر ہے؟ تو تعجب نہ کریں، حدیث کو دوبارہ پڑھیں اور غور کریں کہ اللہ رب العزت نے اسی بات کو قرآن کی اس آیت میں واضح کیا ہے ”وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین“ کہ ہم نے آپ کو ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ جب آپ ساری دنیا کے لئے رحمت ہیں تو کیا رحمت کا وجود حسنِ اخلاق کے بغیر ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ رحمتِ رب ہوں گے جب آپ خود بھی بہترین اخلاق سے مزین ہوں اور دوسرے نفوس کے اندر بھی اچھے اخلاق کا مادہ ڈال دیں۔

آپ کے ذہن میں یہ بات آرہی ہوگی کہ اس کلام کا مطلب تو یہ ہے کہ جب بعثتِ محمدی کا مقصد ہی حسنِ اخلاق ٹھہرا تو گویا اچھے اخلاق سے خود کو مزین کرنا نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسی عبادتوں سے بھی افضل ہے؟

جی ہاں بے شک! یقین کریں کہ تمام عبادتوں کا مقصد اور غرض بھی اچھے اخلاق ہیں، ورنہ عبادتیں تو محض ورزش اور Exercise ہو کر رہ جائیں گی۔ کیسے...؟؟

نماز: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ“ کہ نماز انسان کو بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے، یعنی نماز آپ کے اخلاق کو بلند و عالی بناتی ہے، اس لئے کہ اگر نماز بے حیائی اور منکرات سے نہ روکے تو یہ صرف ورزش اور مشق و تمرین ہو جائے گی کہ نماز بھی پڑھ لی اور حسن اخلاق سے آراستہ بھی نہ ہوئے، جب کہ نماز اور اخلاق میں اتنی مناسبت ہے کہ اگر آپ کی نماز نے آپ کو فواحشات و منکرات کے ارتکاب سے نہیں روکا تو آپ اس کے ثمرات و منافع سے بے بہرہ اور محروم رہ گئے۔

5

زکوٰۃ و صدقات: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔ آپ ان کے مالوں میں صدقہ لیجئے جو ان کو پاک کر دے اور ان کا تزکیہ کر دے۔

سبحان اللہ! زکوٰۃ و صدقات کا مقصد تزکیہ ہے، تزکیہ کہتے ہیں اچھے اخلاق کی تربیت کو۔ بھلا بتائیں کہ جو شخص غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کو اپنا مال دے گا کیا اس کے اندر رحم کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا؟ کیا اس کی ذات سخاوت سے مزین نہیں ہوگی؟ یہی تو اچھے اخلاق ہیں۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: تبسمک فی وجہ اخیک صدقۃ، و امرک بالمعروف ونہیک عن المنکر صدقۃ، و ارشادک الرجل فی ارض الضلال لک صدقۃ، و بصرک للرجل الردی البصر صدقۃ، و اماطتک الحجر والشوكة والعظم عن الطريق لک صدقۃ، و افرأغک من دلوک فی دلو اخیک صدقۃ۔ (ترمذی: 1956) تمہارا اپنے بھائی (مسلمان) کو دیکھ کر مسکرا دینا، نیک

کاموں کا حکم کرنا، گندی چیزوں سے منع کرنا، بھولے ہوئے کو راستہ بتا دینا، اپنے برتن کا سامان دوسرے کے برتن میں ڈال کر اس کی مدد کرنا، کسی کمزور آنکھوں والے کو راستہ دکھا دینا بھی صدقہ ہے، اور راستہ سے پتھر، کانٹا اور ہڈیوں (تکلیف دہ چیزوں) کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ سب سے بڑا صدقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو منہ میں کھانے کا قلمہ دے۔

دیکھئے محمد بن عبداللہ ﷺ نے ان سب اخلاقی امور کو صدقہ بتایا ہے، معلوم ہوا کہ صدقہ اور زکوٰۃ کا ہدف اصلی اخلاق کو سنوارنا ہے۔

روزہ: اذا كان يوم صوم احدكم فلا يرفث، ولا يصخب، فان سابه احد او قاتله فليقل انى امرء صائم۔ (بخاری: 1904) جب تم میں سے کوئی روزہ سے ہو تو گندی باتیں نہ کرے، اگر اسے کوئی گالی دے یا اس سے لڑائی کرے تو وہ کہہ دے کہ: میں روزہ دار ہوں۔

ملاحظہ کریں کہ بڑی باتوں اور اخلاقی گندگیوں سے اجتناب کرنا حسن اخلاق ہی تو ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسی اہم عبادتوں کا مقصد اصلی ضبط اخلاق اور تہذیب نفوس ہی ہے۔

کیا اب آپ کو میری باتوں سے اتفاق ہے؟ یا اب بھی آپ تردد میں ہیں تو لیجئے ”جج کا مقصد“ آپ کے تردد کو یقین میں بدل ڈالے گا۔

الحج اشهر معلومات، فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج۔ جو شخص حج کرے تو چاہئے کہ وہ گندی باتیں اور فسق و فجور کا کام نہ کرے، حج میں ساتھیوں سے جھگڑا اور خصومت نہ کرے۔

یعنی حج انضباط اخلاق کی تمرین ہے کہ: زور سے مت چیخو، کسی کو گالی نہ دو، کسی کو بُرا بھلا نہ کہو، بلکہ یہاں گر چہ بہت ازدحام ہے لیکن کنٹرول کنٹرول....۔

ان پوری باتوں کا حاصل یہ ہے کہ اخلاق تمام عبادتوں سے اس طرح ملے ہوئے اور متصل ہیں جیسے ہرے بھرے درخت سے اس کی جڑ۔ لہذا جو لوگ اس میں انفصال اور جدائیگی کرتے ہیں، وہ اپنے چال ڈھال سے یہ کہتے ہیں کہ: عبادت صرف مسجد میں، باہر جیسے چاہوزندگی گزارو۔ یہ ان کی بہت بڑی بھول بلکہ بہت بھیانک اور خطرناک غلطی ہے، اس لئے کہ اسلام کے اندر عبادتیں اور اخلاق ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں کہ ان کی جدائیگی متصور نہیں۔

آپ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں تو عبادات و معاملات کے درمیان انفصال کرنے والوں میں دو طرح لوگ نظر آئیں گے:

بُری اخلاق والا عبادت گزار: جو خوب نفلیں پڑھ رہا ہے، مگر اس کے شر سے کوئی مامون نہیں۔

اچھے اخلاق والا فاسق: جو اچھے عادات سے مزین ہے مگر عبادت کو ترک کرنے پر تیار ہوا ہے۔

یہ دونوں قسم کے لوگ گمراہ ہیں، ان کا اسلام میں حصہ نہیں۔ خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں ہو سکتا۔ کون اے اللہ کے رسول؟ جس کے پڑوسی اس کے شر سے مامون و محفوظ نہیں ہوں (بخاری: 6016)۔ کیسے...؟

آپ نے کپڑے دھل کر گیلے کپڑے اپنی دیوار پر اس طرح پھیلا دیا کہ پڑوسی کے گھر میں پانی ٹپ ٹپ گر رہا ہے۔

آپ نے اپنی گاڑی دوسرے کے مکان یا دوکان کے سامنے کھڑی کر دی اور نماز کے لئے چل پڑے۔

اوہ اوہ! آپ نماز کے لئے تو یقیناً چلے گئے، مگر آپ بھول گئے کہ نماز کے

تقاضے، اس کی برکتیں و اس کی رحمتوں کا دروازہ آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کر دیا، آپ نے اس کی بنیاد پہلے ہی منہدم کر دی۔

کچھ لوگ محمد ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! فلاں کا چرچا ہے کہ نماز روزے بہت کرتی ہے، لیکن اس کے پڑوسی اس کی ایذاء سے محفوظ نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنمی ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ: فلاں مشہور ہے کہ نماز روزے پر تو دھیان نہیں دیتی لیکن وہ اپنے پڑوسی کو نہیں ستاتی۔ آپ نے فرمایا: وہ جنتی ہے۔ (مسند احمد: 9673)

اللہ کے نبی محمد بن عبد اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ان شر الناس منزلة عند الله يوم القيامة من يترکہ الناس لاتقاء فحشه. (ابوداؤد: 4793) کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بُرا شخص وہ ہوگا جس کو لوگ اس کی بدزبانی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

الایمان بضع و سبعون شعبه، افضلها قول لا اله الا الله، وادناها اماسة الاذى عن الطريق. (مسلم: 162) ایمان کے بہت سے شعبہ جات ہیں، سب سے افضل شعبہ لا اله الا الله محمد رسول الله کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔

آپ صبح ہی صبح بیدار ہوئے، اپنا گھر صاف کیا اور کوڑا کرکٹ سڑک پر پھینک دیا۔ کیا یہ ایمان کا شعبہ ہے؟

آپ اس غلط فہمی میں نہ پڑیں کہ میرے کلام کا مقصد یہ ہے کہ نماز روزے کم کر دئے جائیں، ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

ہرگز نہیں! میرے کہنے کا منشاء یہ ہے کہ: اس بات سے بچیں اور کلی اجتناب کریں کہ آپ ایک جانب پر عمل پیرا ہوں اور دوسری جانب کی طرف التفات ہی نہ

کریں۔ بلکہ جس طرح عبادتیں ضروری ہیں، اسی طرح اخلاق بھی اہم ہے۔ ورنہ تو یہ اس گڑھے کے مانند ہوگا جسے آپ نے بہت محنت سے کھودا، اب اس میں پانی ڈال رہے ہیں، مگر دوسری طرف بڑا سوراخ ہے جس سے پانی نکل کر بہہ جا رہا ہے۔ پھر آپ اس وقت اُس شخص کے مانند ہو جائیں گے جس کا نقشہ قرآن نے کچھ اس طرح کھینچا ہے۔ الذین ضلّ سعيهم في الحياة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا۔ جن کی کوششیں دنیاوی زندگی میں ناکام اور رائیگاں ہو گئیں اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کچھ کام کر رہے ہیں۔

اللہ رب العزت نے کامیاب اُس شخص کو کہا ہے جس نے اخلاق و عبادت میں جداگانہ معاملہ نہیں کیا، بلکہ دونوں کو مضبوطی سے پکڑا رہا۔ ارشادِ ربانی ہے:

قد افلح المؤمنون الذين في صلواتهم خاشعون، والذين هم عن اللغو معرضون، والذين هم لفروجهم حفظون، الا على ازواجهم او ماملكت ايماهم فانهم غير ملومين، فمن ابتغى وراء ذلك فاولئك هم العدون، والذين هم لاماناتهم وعهدهم راعون، والذين هم على صلواتهم يحافظون۔ تحقیق کہ وہ ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں، لغو کاموں سے احتراز کرتے ہیں، اپنی شرمگاہوں کو برے کاموں سے بچاتے ہیں، مگر اپنی بیویوں اور باندیوں کے ساتھ؛ تو یہ کوئی برا کام نہیں، لیکن اگر ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ تلاش کیا جائے تو یہ ظلم ہے، جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں، جو لوگ نمازوں کی محافظت کرتے ہیں، وہی لوگ جنت کے وارث ہیں۔

دیکھئے یہاں کامیاب مؤمنین کی صفت یہ بتائی جا رہی ہے کہ وہ لوگ اخلاق و عبادت میں انفصال و جدائیگی نہیں کرتے۔ پھر دوسری جگہ ارشاد ہے۔

7

فويل للمصلين الذين هم عن صلواتهم ساهون الذين هم يرآءون ويمنعون الماعون۔ ان نماز پڑھنے والوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں، اور برتنے والی چیز نہیں دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ اخلاق و عبادت دونوں ہی انتہائی ضروری اور اہم ہیں۔ اب جاننا چاہئے کہ اخلاق کے بہت سے شعبے اور حصے ہیں، جس کا ایک اہم جزو ’لوگوں کے ساتھ تعامل و برتاؤ‘ ہے کہ سامنے والے اور مخاطبین کے ساتھ کس طرح کا سلوک و رویہ اختیار کیا جائے اور ان کے ساتھ کون سا طریقہ عمل میں لایا جائے کہ ہمیں ان کی محبت حاصل ہو؟

فی زماننا ہمارے اندر اخلاقی گراؤ اس قدر شدت پکڑ گئی ہے اور اچھے اخلاق اتنی تیزی سے زمیں بوس ہوئے جا رہے ہیں کہ میرے پاس حقیقتِ حال کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں۔

ہم لوگوں سے ملتے جلتے ہیں، انہیں اپنے افکار و خیالات سے واقف کراتے ہیں، لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہم انہیں نصیحت کرتے ہیں، ان کی غلطیوں پر تنبیہ کرتے ہیں، لیکن اس کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہو پاتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمام لوگوں کے نزدیک ہماری محبوبیت اور مقبولیت ہو، لیکن ہم اس میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔

کیونکہ ہم نے اس اہم امر کو پس پردہ ڈال دیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ تعامل و برتاؤ کا کیا اسلوب و طریقہ ہونا چاہئے؟ ہم میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ سب لوگ اُسے احترام و عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کے اندر یہ صلاحیت بھی موجود ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اوقات و لمحات کو اپنی

مہارتوں اور صلاحیتوں کے استعمال سے مزین کر کے اُسے قابلِ رشک و لائقِ تقلید و اتباع بنا سکتا ہے، لیکن ہم اس مہارت اور چھپی ہوئی صلاحیت کو عمل میں نہیں لاتے۔

کیوں؟ یا تو ہم اس سے واقف نہیں ہیں؟ یا ہم اس سے غافل ہیں؟ یا پھر ہم اسے استعمال میں لانا ہی نہیں چاہتے؟

لیکن یہ پستی، یہ تنزلی، یہ انحطاط اور یہ گراؤ تا کیجے؟

زندگی کے یہ لحاظ صرف ایک منظر اور سین (Scene) کی طرح ہیں جو لوٹ کر کبھی واپس آنے والے نہیں، اگر یہ گزر گئے تو اس کا دوبارہ آنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے اندر چھپی اور خوابیدہ مہارتوں کو باہر لاکر زندگی سے پوری طرح فائدہ اٹھائیں، ورنہ اگر یہ قیمتی زندگی ایسے ہی ایک حیران و پریشان اور درد کی ٹھوکریں کھا کر گزر جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ زندگی بالکل ضائع و برباد ہے۔

میں نے اپنی اس کتاب جس کی تصویر اس وقت آپ کی آنکھوں میں ہے؛ کے اندر صرف اس نکتہ کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ: وہ طریقہ کار کیا ہیں جس کو اپنا کر ایک انسان اپنے اندر جاذبیت و کشش پیدا کر سکتا ہے، وہ کس طرح اپنے تعامل و برتاؤ سے لوگوں کی وارفتگی حاصل کر سکتا ہے۔ میں اس زعم میں مبتلا نہیں ہوں کہ میں نے اُن سارے امور کو سامنے لایا جس کا تعلق ”تعاظمِ ناس“ سے ہے، نہ ہی یہ حقیقت ہے۔ بلکہ صرف وہ خاص باتیں جس کو پڑھ کر ایک ادنیٰ سی بھی عقل رکھنے والا شخص ایک حد تک رازِ حیات سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے، جس کو اپنا کر ایک سلیم الطبع انسان اپنی زندگی سے فائدہ اٹھانے کی بنیاد کھڑا کر سکتا ہے اور جسے عمل میں لا کر ہر شخص نمایاں مقام پاسکتا ہے۔

8

من لم يشكر الناس لم يشكر الله (جو شخص بندوں کا شکر گزار نہیں ہوتا، وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا ہے) کے تحت میں اس معصوم کا حد درجہ ممنون ہوں جس نے اس کتاب میں میری بہت معاونت کی، کمپوزنگ کی غلطیوں کو اپنے علم و رسا کی حد تک درست کیا، میرا دس سالہ بھائی حافظ محمد عثمان عباسی سلمہ، مجھے اس پر حیرت نہیں بلکہ خوشی ہے کہ اللہ رب العزت نے اسے اس قدر عقل و دانش اور صلاحیت سے نوازا ہے، میں اس کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اور میرے بھائی حافظ محمد فیضان عباسی سلمہ جس نے اکثر اوقات میرے لئے مشکل راہیں آسان کی، میں تشکر کے رسمی الفاظ سے ان کے احسان کے جذبات کی توہین نہیں کرنا چاہتا۔ جزاھما اللہ من عندہ خیر الجزاء۔

اخیراً دست بستہ عرض ہے کہ یہ سطور میرے خونِ جگر سے لکھے گئے ہیں، یہ الفاظ روح و قلب سے نکلے ہوئے ہیں، کاش یہ آپ کے دل میں جا کر پیوست ہوں، اگر اس کتاب کو پڑھ کر ایک شخص بھی فائدہ حاصل کر لے تو میں سمجھوں گا کہ یہ میرے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے اور اس وقت میری خوشی کی انتہاء نہیں ہوگی جب کوئی قاری اس کی سطریں اپنے دل میں جاتے ہوئے محسوس کرے، وہ اپنی زندگی میں اس سے فائدہ اٹھانے کا عزم کرے، پھر اپنے پاک ہاتھ سے میرے لئے دعا کی ایک سطر یا اپنے احساس و فکر کو سچائی، خلوص اور صراحت کے ساتھ مجھے Message کر دے۔ میں اس کے لطف کے لئے مشکور ہوں گا۔

والسلام

محمد عفان عباسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عام طور سے لوگوں کے اندر خوشی اور غمی کے اسباب تقریباً یکساں ہیں، تجارت و صناعیت کی ترقی سب کے لئے خوشی کا ذریعہ ہے، مال کا اضافہ تمام لوگوں کے لئے خوشی کے نقارے بجاتا ہے، مرض سے شفا پانے پر کون خوش نہیں ہوتا؟ دنیا جب کسی کو داد دیتی ہے تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی، اسی طرح غمی کے اسباب بھی تقریباً سبھوں کے لئے ایک جیسے ہی ہیں، فقر و تنگ دستی سب کے لئے غمی کا سبب ہے، مرض تمام لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہے، میں اس بات میں آپ سے سو فیصد متفق ہوں۔

9

لیکن سوال یہ ہے کہ ہم مصیبتوں اور غموں کو اس کے حد سے بڑھنے کیوں دیتے ہیں کہ ایک چھوٹی سی مصیبت پر مدتِ دراز تک ہمارے سروں پر غم کا بادل چھایا رہتا ہے؟ بلاشبہ فکر و غم انسان کے ذہن و دماغ میں اس کی مرضی و اجازت اور بغیر کسی اطلاع کے آدھمکتے ہیں، لیکن جیسے ہی غم و فکر کا ایک دروازہ کھلتا ہے اس کے فوراً ہی بعد اس کو بند کرنے کے ہزار ہا دروازے کھل جاتے ہیں، چنانچہ ہم چاہیں تو ایک منٹ کے اندر سارے غموں سے دست بردار ہو جائیں ”مسئلہ پیدا ہونے کو آپ روک نہیں سکتے، لیکن اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اس مسئلہ کا اثر آپ کے دل پر نہ پڑے“ اسی لئے زندگی سے فائدہ اٹھائیے، کیونکہ آنے والے لمحات کا آپ کو پتہ نہیں، اس میں فکر و غم کو داخل نہ ہونے دیں۔ لیکن کیسے؟

اپنی چھپی ہوئی مہارت و صلاحیت کو استعمال کر کے۔

مہارت کا استعمال

اس دنیا کے اندر بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے ساتھ بیٹھ کر، جن سے مل کر، جن سے مصافحہ کر کے لوگوں کو خوشی ہوتی ہے، وہ ان سے بات کر کے سکون محسوس کرتے ہیں، کیا آپ نے کبھی سوچا کہ آپ بھی ان ہی خوش قسمت افراد میں سے بن جائیں، آپ اس پر راضی کیوں ہو گئے کہ آپ عوام الناس اور جہلاء الناس کے زمرے میں داخل ہوں جن کو نہ زندگی گزارنے کا طریقہ ہے نہ ہی اس سے فائدہ اٹھانے کا ہنر؟

ایک بوسیدہ حال، راندہ ہر باب شخص جس کی آپ کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں ہے..... وہ جب کسی مجلس میں گویا ہوتا ہے تو مجلس میں سناٹا چھا جاتا ہے، لوگ بڑے دھیان سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، خاموشی سے اس کی بات سنتے ہیں اور اہمیت کے ساتھ اس کی بات کو محفوظ کرتے ہیں۔

لیکن جب آپ کی گفتگو شروع ہوتی ہے تو نہ کوئی اس کو اہمیت دیتا ہے نہ کسی کے کانوں پر جوں تک ریٹکتی ہے، ایسا کیوں؟ یہ فرق کیوں؟ حالانکہ آپ کے ذہن کی وسعت کے سامنے وہ ذرہ ہے، آپ کے تجربے کے سامنے وہ طفلِ مکتب ہے، آپ کا منصب و عہدہ اس سے کہیں بڑھا ہوا ہے، لیکن پھر بھی کیوں آپ کے بجائے وہ دلوں پر بادشاہت اور ذہنوں پر حکمرانی کرتا ہے، جب کہ آپ اس سے محروم ہیں؟

ایک باپ وہ ہے جس کے ساتھ بچے بازار جانے کے لئے، اس کے ساتھ چلنے

کے لئے، اس کے حکم کو بجالانے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسرا باپ وہ ہے جو اپنے بچوں سے بہانے و عذر سن کر تنہا بازار جاتا ہے، خود اپنے کام کرتا ہے۔

کیا وہ دونوں باپ نہیں ہیں؟ دونوں ہی تو ابوت کا درجہ رکھتے ہیں، پھر بھی ان میں اس قدر فرق کیوں ہے کہ ایک اپنی زندگی سے پوری طرح متمتع ہے اور دوسرا یکسر محروم؟ آئیے ذرا غور کریں۔

میں ایک دفعہ ایک بہت ہی بڑے شخص کی سوانح پڑھ رہا تھا جو آج کھربوں کا مالک ہے، جس نے اپنی زندگی میں ہزار ہا مسجدیں تعمیر کروائی، لاکھوں یتیموں کی کفالت کی، بے شمار بیواؤں کے سر پر آجیل رکھا، میں نے ان کو فکر و اخلاق کا مالیہ پایا۔

وہ اپنے اوائل زمانے میں بہت غریب اور تنگ دست تھے، ان کے پاس گذر بسر کے لئے بسا اوقات ایک کوڑی تک نہ ہوتی تھی، بلکہ بعض دفعہ ان کو قسوتِ لا یموت کا نظم کرنے کے لئے دوسرے کے گھر میں جھاڑو بھی لگانے پڑے، کبھی انھوں نے کسی کی دوکان پر کام کر کے اپنی روٹی کا نظم کیا، مگر وہ اتنے بڑے اس لئے بنے کہ انھوں نے اپنی صلاحیت کو بروئے کار لایا اور اپنی استعداد کو استعمال کیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص کے اندر اتنی صلاحیت ہے کہ وہ زندگی سے پوری طرح لطف اندوز اور متمتع ہو سکے، کیونکہ اللہ پاک نے ہر انسان کو عمارت بنا کر اسے اختیار دیا اور یہ ہنر عطا کیا ہے کہ وہ اپنی محنت اور لگن سے اُس عمارت کو مزین کر لے، اس میں نیل بوٹے لگا لے، اسے اتنا خوبصورت اور شاندار بنا لے کہ ہر انسان کو اُسے دیکھنے، اُسے چھونے اور اس کے پاس جانے کی تمنا آرزو ہو، اگر کوئی آدمی اپنی چھپی ہوئی اور خوابیدہ صلاحیت کو استعمال میں لائے گا تو وہ بھی اتنا بڑا بن سکتا ہے۔

کبھی انسان اپنے اوپر کسی کا ہاتھ نہ پا کر ہمت ہار جاتا ہے اور وہ کسی بڑے کی شہمہ اور سرپرستی سے محروم ہونے کی وجہ سے اپنی مہارت کو زمین بوس کر دیتا ہے، کبھی وہ اپنی مہارت سے غافل ہی رہ جاتا ہے، اسے اُس کے اندر کا انسان اور اس کی چھپی ہوئی صلاحیت دکھائی نہیں دیتی اور وہ عام انسانوں کی طرح اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے، اس طرح ہم ایک عظیم قائد، بے مثال خطیب اور بلند پایہ عالم دین کو کھو بیٹھتے ہیں اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔

بہت سے کم عمر بچوں سے آپ بات کریں تو دل و دماغ معطر ہو جائے گا، ان کے اندر آپ کو گفتگو کرنے کا سلیقہ، سلوک کرنے کا طریقہ اور فکرِ صائب کا ذخیرہ نظر آئے گا، لیکن کچھ لوگ وہ بھی ہیں جن کے اندر نہ خوش کلامی ہے نہ سلیقہ مندی، نہ علم میں جلاء، نہ کلام پر قدرت، نہ ہی سوچ میں قرار۔

پہلی طرح کے لوگوں کے اندر ہمہ وقت یہ فکر غالب رہتی ہے کہ ان کا ذہن وسیع ہو، ان کے علم میں کمال، کلام پران کو قدرت، دلوں پران کی حکمرانی اور ذہن پران کا اثر ہو، اسلوب و انداز ان کے غلام ہوں، تقریر و تحریر ان کو مر جبا کہے اور مجلسِ خیر میں ان کا تذکرہ ہو۔

مگر ان کے بالکل خلاف ایک جماعت وہ بھی ہے جن کی زبان پر ہمہ وقت ناکام عشق کے افسانے، خیالی فلموں کی کہانیاں، فرضی موویوں کے قصے اور شرکیہ نغمے ہیں۔

آپ انصاف کی نظر اٹھا کر دیکھیں کہ کون لوگ کامیاب ہیں اور کون لوگ ناکام، کس کی صلاحیت میں نکھار ہے اور کس کی مہارت زمیں بوس؟ آپ کو دونوں کے طرزِ گفتگو و اندازِ تکلم اور طرزِ گفتگو میں بھی نمایاں فرق دکھائی دے گا، ایک تو نصوصِ شرعیہ، حقائق و واقعات سے استشہاد کرے گا اور دوسرا اکیٹروں اور مغنیوں کے گانے اور ڈانسیلاگ سے۔

ایک شخص نے دورانِ کلام یہ کہہ دیا ”چھوڑ دی خدائی میں نے تیرے لئے“ میں نے فوراً ان کو تنبیہ کی کہ ”یہ کوئی آیت نہیں ہے“ یہ سنتے ہی اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ جب میں نے اس سانحہ پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہونچا کہ گانے اور فلموں کی مشق نے اُس کو اس بد انجام تک پہونچایا ہے، بلاشبہ برتن سے وہی چیز چھلکتی ہے جو اس میں ہوتی ہے کل اِناءِ یترشح بما فیہ

یہ انسان اپنے برتن یعنی اپنی ذات کے اندر زبان درازی کی جگہ خوش کلامی، بے ادبی کے بجائے سلیقہ مندی، غصہ کی جگہ بردباری کا استعمال کر سکتا تھا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، اس نے اپنے اندر چھپے ہوئے انسان کو ظاہر نہیں کیا، بلکہ اُسے اندر ہی اندر موت کے گھاٹ اُتار دیا، اسی لئے وہ زندگی کے اصولوں سے غافل ہے، اس بیش قیمت زندگی کو یونہی برباد کر رہا ہے، لہذا ہمیں اُس پوشیدہ و خوابیدہ انسان کو جگانے اور استعمال میں لانا ہوگا اور اس کے لئے ہمیں سب سے پہلے اپنی سوچ بدلنی پڑے گی، کیونکہ ہم ادنیٰ اور گھٹیا سوچ و فکر رکھ کر اپنی زندگی کو خوشیوں اور لذتوں سے نہیں بھر سکتے۔

ہمیں ”صبح کا ستارہ“ بننا چاہئے، سوچئے کہ صبح کا ستارہ کس قدر اہم ہے؟ وہ دنیا کو ہر صبح آفتاب کی آمد کا پیغام دینے کے بعد روپوش ہو جاتا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سورج کے چہرے سے تاریکی کا نقاب اُلٹ کر اپنے چہرے پر ڈال لیتا ہے، لیکن اس کے باوجود جو اہمیت اُسے حاصل ہے، وہ دوسرے ستاروں کو حاصل نہیں، ہم تمام رات آسمان پر کڑوڑوں ستارے دیکھتے ہیں لیکن یہ ستارہ ہمارے لئے ان سب سے زیادہ جاذبِ توجہ ہے، عام ستاروں کی موت و حیات ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی بالکل اُن انسانوں کی طرح جو دنیا میں چند سال ایک بے مقصد زندگی بسر کرنے کے بعد مر جاتے ہیں اور دنیا کو اپنی موت و حیات کا مفہوم بتانے سے قاصر رہتے ہیں، مجھے

اس ستارے کی زندگی پر رشک آتا ہے، اس کی زندگی اگرچہ حد سے زیادہ مختصر ہے لیکن اس کا مقصد اتنا ہی بلند ہے، یہ دنیا کو مخاطب کر کے کہتا ہے: میری عارضی زندگی پر اظہارِ تاُسف نہ کرو، قدرت نے مجھے سورج کا ایلچی بنا کر بھیجا ہے اور میں اپنا فرض پورا کر رہا ہوں، تم مجھ سے سبق حاصل کرو، تم اپنے اندر میری چمک اور مجھ جیسی اہمیت حاصل کرو۔ لیکن کیسے.....؟؟

اپنی سوچ کو بدل کر.....

سوچ کا فرق

آج کل کون ایسا شخص ہوگا جو صبح بیدار ہونے کے بعد اخبار کا دیدار نہ کرے، چاہے نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو لیکن اخبار کا دیدار کسی محبوبہ کی وصال سے کم نہیں ہوتا، مگر سوال یہ ہے کہ کتنے لوگ اس کو مفید اور کارآمد معلومات کے حصول کی غرض سے پڑھتے ہیں کہ ان کی صلاحیت میں اضافہ ہو، تجربات کی روشنی دے اور قدرتِ خداوندی کا یقین ہو؟ کچھ خاص اور چُنندہ لوگوں سے قطع نظر اکثر افراد کی نظر صرف کھیل تماشوں اور فلمی دنیا کے صفحات پر ہوتی ہے، وہ صرف اس سے آنکھیں سیکنے کا کام لیتے ہیں، اُن کی نظر مفید اور کارآمد معلومات پر بھول سے بھی نہیں پڑتی، اب تو جرائد و اخبارات کے صفحات اس لئے بڑھ رہے ہیں کہ گانے، فلموں اور اس طرح کی واہیات و غیر ضروری بلکہ مہلک چیزوں سے اُسے بھرا جاسکے۔

چنانچہ اگر کوئی شخص ان جیسے لوگوں میں نمایاں مقام حاصل کرنا چاہتا ہے، معنون

کے بجائے عنوان بن کر زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی پوشیدہ صلاحیت کو ظاہر کرے اور اسے استعمال میں لا کر زندگی کا بھرپور لطف اٹھائے۔

ایک دن عبداللہ ظہر کی نماز کے لئے گھر سے نکلا اس کے قدم بہت جلدی جلدی اٹھ رہے تھے کہ کہیں اس کے پہونچنے سے پہلے ہی نماز نہ کھڑی ہو جائے، راستے میں اس نے دیکھا کہ ایک شخص کھجور کے درخت پر آرام سے بیٹھ کر ٹہنیوں کی کانٹ چھانٹ میں لگا ہوا ہے، عبداللہ کو اس شخص پر بڑی حیرت ہوئی کہ اسے نماز کی کوئی فکر ہی نہیں، عبداللہ نے اسے زور سے پکارا: اوئے نماز کے لئے چل۔ اس نے بڑی سرد مہری سے کہا: ہاں ہاں! عبداللہ کو اس پر غصہ آ گیا، اس نے غضبناک ہو کر کہا: اوئے گدھے! نماز کے لئے چل۔ اس شخص نے غصے میں عبداللہ کو دیکھا اور کہا کہ: اچھا میں گدھا ہوں؟ ابھی رک، بتاتا ہوں کون گدھا ہے؟ وہ عجلت سے نیچے اترنے لگا، جب عبداللہ نے یہ عجیب صورت حال دیکھی تو اس نے اپنا منہ چھپایا اور مسجد کو بھاگا، چنانچہ وہ شخص درخت سے اتر کر گھر چلا گیا اور نماز پڑھ کے آ کر آرام سے پھر اپنے کام میں جُٹ گیا۔

عصر کے وقت..... عبداللہ پھر نماز کے لئے ادھر سے گذرا تو دیکھا کہ اس وقت بھی وہ شخص آرام سے اپنے کام میں لگا ہوا ہے، لیکن اس بار عبداللہ نے پہلے اُسے سلام کیا، اس شخص نے سلام کا جواب دیا، پھر عبداللہ نے اس کی خیریت دریافت کی، اس نے اللہ کا شکر ادا کیا، عبداللہ نے اس سے پوچھا کہ: اس سال کھجور کیسے آئے ہیں؟ اس نے اللہ کی تعریف کی اور بڑا خوش ہوا، عبداللہ نے اسے دُعا دی: اللہ آپ کے مال میں برکت دے، آپ کی محنت کو بار آور فرمائے۔ اس نے آمین کہی، پھر عبداللہ نے کہا

کہ: لگتا ہے آپ نے مشغولیت کی وجہ سے اذان نہیں سنی، اقامت ہونے ہی والی ہے، آئیے چل کر نماز پڑھ لیں پھر آرام سے کام کر لیجئے گا، اس شخص نے کہا: ہاں ہاں ضرور ضرور، بالکل چلیں، اور یہ کہہ کر وہ تیزی سے درخت سے نیچے اترا، عبداللہ سے مصافحہ کیا اور اس کے اخلاق کی تعریف کی، پھر کہا کہ: ظہر کے وقت ایک شخص ادھر سے گذرا تھا اگر میں اس کو دیکھ لوں تو یاد دلادوں کہ کون گدھا ہے؟۔

اس چھوٹے سے واقعے میں اگر آپ غور کریں تو اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ ہر شخص کے اندر اچھائی و بُرائی، اعلیٰ اور گھٹیا ہر دو کاموں کی صلاحیت ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت کم کم اور خال خال ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر زندگی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میرے خیال میں اتنی قیمتی زندگی کو صلاحیتوں اور مہارتوں کے استعمال سے خالی رکھ کر یہاں سے کوچ کر جانا بہت بڑی بے وقوفی اور حماقت کی بات ہوگی، بلکہ ایسا ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا جس کا مداوا کسی طرح ممکن نہیں، کیونکہ زندگی ایک بار ملتی ہے، بار بار نہیں، تو آپ کس زمرے میں داخل ہونا چاہتے ہیں؟۔

اپنا مزاج.....

بعض لوگ اپنی طبیعت اور مزاج سے ہی پہچانے جاتے ہیں، لوگوں کے سامنے ان کا نام آتے ہی ان کی مخصوص حالت و کیفیت سامنے آ جاتی ہے اور انھیں لگتا ہے کہ اُن کی طبیعت اور مزاج کو بدلنا ممکن نہیں ہے، مثلاً ایک آدمی کی زبان بے لگام ہے، لوگ اس سے واقف ہیں، تو سب لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ بہت بولتا ہے۔

مگر حیرت اس بات پر ہے کہ لوگ یہ فیصلہ بھی کر لیتے ہیں اس کی زبان کو لگام دینا محال و ناممکن ہے، جب کہ عقلمند شخص خوب اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ انسان کا مزاج کسی دوہے ہوئے دودھ کی طرح نہیں ہے کہ اس کو تھن میں ڈالنا ناممکن ہو، مزاج کی تبدیلی تو میرے خیال میں کپڑے بدلنے سے بھی زیادہ آسان ہے، طبیعت کی لگام ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہے، ہم جب چاہیں جیسے چاہیں اور جدھر چاہیں اس کو موڑ دیں، علامہ ابن حزمؒ نے ”طوق الحمامہ“ میں لکھا ہے کہ:

اندلس میں ایک بہت مشہور تاجر تھا، اتفاق سے اس کے اور دوسرے چار تاجروں کے درمیان ناچاقی ہو گئی، ان چاروں نے اس کو سبق سکھانے کا عزم کیا۔

ایک دن صبح صبح یہ تاجر تیار ہو کر سفید کرتا پاجامہ اور سفید عمامہ باندھ کر دوکان جانے کے لئے نکلا، راستے میں ایک شخص ملا، اس نے تاجر کو سلام کیا اور کہا کہ: واہ! آپ کی یہ پیلی دستار بہت جم رہی ہے۔ تاجر نے کہا کہ: تو اندھا ہے کیا؟ یہ دستار سفید ہے۔ اس نے کہا: نہیں، یہ تو پیلی ہے۔ وہ تاجر اس کو پاگل سمجھ کر آگے بڑھ گیا۔ چند قدم کے بعد ناگاہ ایک شخص ملا، اس نے بھی تاجر کو سلام کیا اور کہا: آج تو آپ بہت حسین لگ رہے ہیں، خاص کر آپ کی یہ سبز دستار آپ کو بہت موزوں لگ

رہی ہے۔ تاجر نے کہا: ارے یہ تو سفید ہے۔ اس نے کہا: نہیں یہ تو سبز ہے، ویسے بہت خوبصورت ہے۔ تاجر نے غور سے عمامہ کو دیکھا اور یقین حاصل کر لیا کہ یہ سفید ہی تو ہے، ابھی وہ دوکان پہنچا ہی تھا کہ ایک نووارد نے آکر اسے سلام کیا اور اس کے لباس کی تعریف کرتے گویا ہوا: آج کی صبح آپ کا حسن نکھر آیا ہے، اور آپ کی یہ نیلی دستار نے آپ کی خوبصورتی کو دوبالا کر دیا ہے۔ تاجر نے آنکھیں پھاڑ کر عمامہ کو دیکھا اور کہا: نہیں جناب! یہ تو سفید ہے۔ اس شخص نے کہا: نہیں! یہ تو نیلی ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اب تاجر نے خوب اچھی طرح عمامہ کو دیکھا کہ کہیں مجھے دھوکہ تو نہیں ہو رہا، یہ سفید ہی تو ہے اسے یقین ہو گیا کہ یہ سفید ہی ہے، اتنے میں چوتھا شخص آ گیا اور سلام کر کے بڑی گرم جوشی سے تاجر سے مصافحہ کیا اور پوچھنے لگا کہ آپ نے یہ سرخ عمامہ کہاں سے خریدا ہے؟ تاجر چیخ کر بولا: یہ تو سفید ہے۔ اس نے کہا: نہیں بھائی! یہ تو سرخ ہے۔ تاجر چلا کر بولنے لگا: نہیں! یہ سبز ہے، نہیں نہیں! یہ نیلی ہے، نہیں! یہ پیلی ہے۔ پھر وہ تاجر ہنسنے لگا، پھر رونے لگا، پھر چیخنے لگا اور اٹھ کھڑا ہو کر بھاگنے لگا۔

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے اُس تاجر کو اندلس کی گلیوں میں پاگل پن کی حالت میں پھرتے ہوئے دیکھا کہ بچے اس کو پتھر پھینک کر مارتے تھے۔

ذرا سوچئے کہ جب ان چار لوگوں نے مل کر اس تاجر کے دل و مانغ کو بدل دیا تو پھر آپ اپنی طبیعت اور مزاج کو کیوں نہیں بدل سکتے ہیں، اگر آپ کہتے ہیں کہ: میں نہیں کر سکوں گا، تو آپ کہیں کہ: میں ضرور کر سکتا ہوں، کیونکہ اصل مرد اور ہیرو وہ ہے جو اپنی مہارت اور استعداد کو بروئے کار لائے، جس طرح اور جب چاہے اپنی طبیعت کو ہی نہیں بلکہ لوگوں کے عقل و شعور کو پھیر دے، جب چاہے لوگوں کی فکر و سوچ کا رخ موڑ دے۔

ایک شخص مجلس میں آیا تو اچانک لوگوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے، ان کی آنکھیں اس کے لئے ہنسنے لگیں، ان کے ہونٹوں پر تبسم پھیل گیا اور ہر شخص یہ تمنا کرنے لگا کہ وہ اُسی کے بازو میں نشست لے۔

لیکن پھر دوسرا آدمی آیا تو لوگوں نے اسے دیکھا، پھر سب اپنے کام میں مشغول ہو گئے، نہ کسی نے اس سے ہاتھ ملایا، نہ کسی نے اس کا استقبال کیا، نہ کسی نے اسے اپنے پاس جگہ دینے کی خواہش کی۔ کیوں؟

یہ لوگوں کے دلوں کو جذب کرنے کی صلاحیت اور ہر دل عزیز بننے کی مہارت ہے۔

عام لوگوں کے اندر یہ صلاحیت ان کے درجے اور مرتبے کے اعتبار سے متفاوت ہوتی ہیں، لیکن اصل کام ان کو بروئے کار لانا ہے جو تصور سے بھی زیادہ آسان ہے، میں مبالغہ نہیں کر رہا ہوں اپنے ناقص تجربے سے اتنی بات تو کہہ سکتا ہوں کہ لوگوں کو اپنے سلوک سے متاثر کرنا، اپنے عمل سے ان کو شکار کرنا، انھیں اپنا گرویدہ بنانا اور اپنی طرف مائل کرنا، ان کے دل میں اپنے لئے جگہ بنانا انتہائی آسان ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ لوگ ہمارے سلوک سے بہت متاثر ہوتے ہیں اگرچہ ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔

میں جب دارالعلوم میں پڑھتا تھا تو حجرے سے کلاس کے راستے میں کتاب کی ایک چھوٹی سی دکان پر ایک شخص بیٹھا ہوتا تھا، میں اکثر اسے دیکھ کر مسکراتا، سلام کرتا اور گردن خم کرتا ہوا آگے بڑھ جاتا، اتفاقاً تین چار دن لگاتار میں راستے میں غالباً موبائل میں مصروف رہ گیا، نہ اس پر توجہ کی، نہ سلام اور نہ ہی مسکراہٹ، چوتھے دن وہ میرے آتے ہی میرے سامنے کھڑا ہو گیا اور مجھے روک کر پوچھا: بھائی! آپ مجھ سے ناراض ہیں کیا؟ میں نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: آپ ہمیشہ مجھے دیکھ کر

صلاحیتیں اور مہارتیں

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جب ایک شخص کلام کرتا ہے تو لوگ باادب ہو کر بیٹھ جاتے ہیں گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، ان کی پلکیں نہیں جھپکتی کہ کہیں چوک کر بھی کوئی بات نہ چھوٹ جائے۔

لیکن جب کوئی دوسرا شخص گفتگو کرتا ہے تو سب غافل ہو جاتے ہیں، کسی کو جمائی آنے لگتی ہے، کوئی نشستیں تبدیل کرنے لگتا ہے؟

جی! یہ بات کرنے کی صلاحیت ہے جو پہلے شخص کے اندر پوری طرح موجود ہے اور دوسرا اس سے یکسر خالی۔ یہ مہارتیں اور صلاحیتیں صرف بات کرنے کی حد تک موقوف نہیں ہیں، بلکہ ہر جگہ موجود ہیں۔ مثلاً:

جب ایک ٹیچر راستے میں چلتا ہے تو طلباء اس کے ارد گرد مودب کھڑے ہو جاتے ہیں، کوئی اس سے مصافحہ کرتا ہے تو کوئی مشورہ لیتا ہے، کوئی اپنی پریشانی کا حل معلوم کرتا ہے، اگر وہ کہیں بیٹھ جائے تو چند لمحوں میں اس کے آس پاس کی جگہ ان کے مشتاقوں سے بھر جاتی ہے۔

مگر دوسرے مدرس کو دیکھئے وہ چل رہا ہے، کہیں جا رہا ہے، لیکن نہ تو اس کے ساتھ کوئی مصافحہ کرنے والا ہے نہ کوئی مشورہ لینے والا، نہ کسی کو اس سے اپنی شکایت دفع کروانی ہے، وہ صبح سے شام تک اور رات بھر اپنی نشست پر بیٹھا ہے، لیکن اس کے پاس پھٹکنے والا بھی کوئی نہیں۔

دراصل یہ لوگوں کے ساتھ پیش آنے کی مہارت ہے جس سے ایک مزین ہے اور دوسرا محروم۔

مسکراتے، خوش ہوتے اور سلام کرتے تھے، اب نہ تو دیکھتے ہیں نہ ہی سلام کرتے ہیں، چنانچہ میں نے اس سے معذرت کی اور اپنی مشغولیت کی وجہ بتا کر اس رنجیدہ کو سنجیدہ کیا۔

پھر میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ انسان جب اپنی مہارت و صلاحیت کو استعمال میں لا کر اس کو اپنی عادت اور طریقہ بنا لیتا ہے تو لوگ اسی سے اس کا تعارف کرتے ہیں اور اسے اس کی خصوصیت سمجھتے ہیں، جب کہ اس سے غفلت برتنے پر اس پر لوگوں کی توجہ ہو جاتی ہے، اسی لئے لوگوں سے ملتے وقت اس بات کا مکمل خیال رہے کہ آپ اس سے معاملہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنی شخصیت کو اس کے سامنے پیش کر رہے ہیں، اب یہ فیصلہ آپ خود کریں کہ آپ لوگوں کے سامنے اپنی ذات کو کس انداز میں پیش کریں؟

15

آپ کا سلوک کیسا ہو؟

آپ لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کریں کہ سب یہ سمجھے کہ وہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے، ماں کے ساتھ وہ برتاؤ کریں کہ اسے احساس ہو کہ وہ آپ کے لئے سب سے اہم ہے، والد کے ساتھ ایسا برتاؤ ہو کہ اسے آپ سے محبت کے ساتھ ساتھ آپ کی عظمت کا بھی احساس ہو، بچوں کے ساتھ آپ کا معاملہ ایسا عطفانہ اور نرم ہو کہ وہ آپ کے گرویدہ ہو جائیں، بیوی کے ساتھ ایسی اظہار محبت کریں کہ اسے لگے کہ آپ کی جنت اور آپ کا معراج صرف اُس کی ذات ہے، یہاں تک کہ وہ لوگ جس سے آپ پہلی بار مل رہے ہیں ان کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ ایسا ہو کہ انھیں آپ سے مل کر لگے کہ آپ انسانیت کے لہادے میں فرشتے کا وجود رکھتے ہیں، دکاندار، کرایے دار، ڈرائیور، باورچی، دربان سب یہ سوچیں کہ آپ سب سے زیادہ اسی سے محبت کرتے ہیں، کیونکہ آپ نے جس شخص کو اپنے لئے نمونہ، قد وہ اور قابلِ اتباع بنایا ہے، ان کی زندگی میں سلوک و معاملات کے اندر محبت و مودت کا یہ عنصر نمایاں اور جلی سطوروں میں دکھائی دیتا ہے، آئیے ذرا مثال تلاش کریں۔

عمرؤ بن عاص..... عرب کے ذہین لوگوں اور اپنی قوم کے سرداروں میں شمار کئے جاتے تھے، انھوں نے جب اسلام قبول کیا تو محمد بن عبد اللہ ﷺ جب بھی ان کو دیکھتے، مسکراتے، خوش ہوتے اور بڑی بشاشت سے ان کے ساتھ پیش آتے، جب وہ مجلس میں آتے تو آپ ﷺ ان کو مجلس میں جگہ دلواتے اور ان کو انتہائی تکریم کے ساتھ بٹھاتے، آپ کا یہ عطفانہ اور محبتانہ معاملہ دیکھ کر ان کو یہ خیال ہوا کہ میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہوں، انھوں نے اپنے اس شک کو یقین میں تبدیل کرنا چاہا۔

ایک دن موقع پا کر انھوں نے آپ ﷺ سے پوچھ لیا کہ: آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہؓ۔ عمروؓ نے کہا: یا رسول اللہ! میرا سوال مردوں کے بارے میں ہے، عورتوں کے بارے میں نہیں، آپ نے فرمایا: ان کے والد ابو بکر، عمروؓ نے دریافت کیا: اس کے بعد کون؟ آپ نے کسی اور کا نام لیا، پھر کسی اور کا پھر کسی اور کا، چنانچہ آپ ﷺ ہر بار کسی کسی کا نام بتاتے رہے، اب عمروؓ بن عاص کو ڈر لگا کہ کہیں میرا نام سب سے اخیر میں نہ آئے، چنانچہ اپنا سوال موقوف کر دیا۔ (بخاری 4358)

دیکھئے آپ ﷺ نے کیسے ان کے دل میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ آپ سب سے زیادہ انھیں سے محبت کرتے ہیں، آپ ﷺ ہر ایک کو ان کے درجے اور مرتبے میں اتارتے اور ان کے ساتھ ان کی حیثیت جیسا معاملہ فرماتے تھے، اسی لئے اگر آپ بھی لوگوں کے ساتھ اس طرح کی محبت کا مشق کریں تو سامنے والا چاہے جیسا بھی ہو آپ اس کو اپنا گرویدہ بنالیں گے۔ نرمی اور اچھے برتاؤ سے آپ جو چاہیں لوگوں سے منوا سکتے ہیں۔

انسان اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر کے نہ صرف نجاتِ اخروی کا مستحق بنتا ہے بلکہ اس سے اس کو دنیا کے بھی بہت سے منافع اور فائدے حاصل ہوتے ہیں اور وہ حسی خوشی سے بھی لطف اندوز ہو سکتا ہے، تو اس سے فائدہ اٹھائیے، اس کی مشق کیجئے اور ہر ایک کے ساتھ اس کا تجربہ کیجئے، خواہ وہ بچہ ہو، جوان ہو، بوڑھا ہو، مرد ہو یا عورت، غنی ہو یا فقیر، سب کے ساتھ اپنی مہارت کو صرف کیجئے، یا تو ان کی تکلیف سے بچنے کے لئے، یا ان کو خوشی دینے کے لئے، یا ان کے دل میں اپنے لئے جگہ پیدا کرنے کے لئے یا پھر ان کی اصلاح کے لئے۔

ہاں! اصلاح ہی کے لئے۔

متوکل کی دور رس برائی میں علی بن جہم ایک بہت بڑا شاعر ہوا کرتا تھا، لیکن اعرابی اور دیہاتی ہونے کی وجہ سے اسے آدابِ شاہی سے واقفیت نہیں تھی۔

ایک دن وہ بغداد آیا تو اسے معلوم ہوا کہ خلیفہ کی مدح سرائی کرنے والے کو خلیفہ خوب انعام سے سرفراز کرتا ہے، اسے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی اور وہ متوکل کی شان میں ایک قصیدہ لے کر پہونچا، وہاں دیکھا کہ شعراء اپنا کلام پیش کر کے انعامات سے مالا مال ہو رہے ہیں، چنانچہ اس نے اپنا کلام کچھ اس طرح پیش کیا:

یا ایہا الخلیفہ!

انت کالکلب فی حفاظک للود وکالتیس فی قراع الخطوب
انت کالدلول عومتک دلو من کبار الدلا کثیر الذنوب
الغرض اس نے متوکل کو گدھے، کتے، مٹی اور خسیس چیزوں سے تشبیہ دینا شروع کیا، حاضرین چیں بجیں ہونے لگے، متوکل غضبناک ہونے لگا اور محافلین تلوار سونت کر علی بن جہم کے پاس کھڑے ہو کر اس کے قتل کا اشارہ پانے کے منتظر ہو گئے، لیکن جب خلیفہ کو اس کے اعرابی ہونے کی خبر ہوئی تو اس نے سوچا کہ اس کی طبیعت اسی میں ڈھلی ہوئی ہے، لہذا اس کو سزا دینے کے بجائے اس کے مزاج کو بدلا جائے، چنانچہ اسے خلیفہ کے حکم سے قصرِ شاہی کے ایک اعلیٰ مکان میں رکھا گیا، اسے شتم و خدم دئے گئے، خوبصورت باندیاں عنایت کی گئی، دنیا کی ساری نعمتیں اس کو مہیا کی گئی، اسی حال میں اس کو تقریباً سات مہینے رکھا گیا۔

ایک دن بادشاہ رات کے وقت سرگونی کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ علی بن جہم کا تذکرہ ہوا تو خلیفہ نے اسے بلوایا اور شعر گوئی کا حکم دیا، چنانچہ علی کچھ اس طرح گویا ہوا:

عیون المہابین الرصافة والجسر

جلبن الہوی من حیث ادری ولا ادری

اعدن لی الشوق القديم ولم اکن

سلوت ولكن زدن جمر اعلیٰ جمر

پھر وہ بادشاہ کو سورج، چاند اور نہ جانے کیسے کیسے بلیغ تشبیہات سے نوازنے لگا، بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسے انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔

غور کریں متوکل نے کس حسین انداز میں علی بن جہم کے دماغ کو بدل ڈالا کہ اسے خبر تک نہ ہوئی، ہم بھی اگر چاہیں تو اپنے دوست، اولاد، گھر والے اور ملے جلنے والوں کے مزاج و انداز کو پلکوں میں بدل ڈالیں، اس کے لئے ہمیں ترش روئی کو بشت سے، خنک مزاجی کو نرمی سے، غصہ کو حلم و بردباری سے، بخل کو سخاوت سے بدلنا پڑے گا اور یہی اصل انسانیت ہے، لہذا اٹھ کھڑے ہوئیے اور اصلی ہیرو بنئے۔ ہر ایک کے ساتھ چاہے وہ جو بھی ہو۔

غربا وضعفاء

جو شخص بھی محمد بن عبداللہ ﷺ کی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ میں غور کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ انتہائی نرمی اور بشت سے پیش آتے، ان کے ساتھ ان کے مزاج و اخلاق کے مناسب برتاؤ کرتے، آپ کا یہ سلوک مصنوعی نہیں تھا کہ باہر والوں کے ساتھ حلم و بردباری کا جذبہ رہتا اور گھر آتے ہی آپ کا حلم غضب میں اور نرمی سختی میں بدل جاتی، بلکہ آپ کا اعتقاد تھا کہ نرمی اللہ سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے، عفو و درگزر اللہ کے یہاں قدر و منزلت پیدا کرتی ہے اور بردباری نیکی میں شمار کی جاتی ہے۔

آج ہم میں سے اکثر لوگوں کا مزاج تجارتی ہے، مالدار اور غنی لوگوں کے ساتھ بشت بھی ہے، حلم بھی ہے، دریا دلی بھی ہے، عفو و درگزر بھی ہے، لیکن غریب و مسکین کو دیکھتے ہی نہ جانے یہ سب الفاظ کس تہہ خانے میں چھپ جاتے ہیں۔

ایک دن راستے میں آپ کو ایک آدمی ملا جو جھاڑو لگا رہا تھا اس نے آپ کی طرف ہاتھ پھیلا دیا، پھر آپ ایک دفعہ آفس میں تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ سے سو روپے مانگے، کیا دونوں آپ کی نگاہ میں برابر ہیں؟ کیا آپ دونوں کے ساتھ ایک ہی طرح کی بشت اور یکساں جذبہ کے ساتھ پیش آئیں گے؟

نہیں! مگر آپ کے پیغمبر ﷺ نے دونوں کے ساتھ ایک جیسا ہی برتاؤ کیا ہے، آپ نے دونوں کے ساتھ یکساں شفقت و رحمت کا معاملہ فرمایا ہے، آپ کو کیا خبر کہ جس کے ساتھ آپ تکبر کے ساتھ پیش آرہے ہیں، اس کو جھڑک رہے ہیں، ممکن ہے وہ اللہ کے یہاں ساری دنیا سے بہتر ہو۔

نبی ﷺ کے یہاں غریب و مالدار کے بیچ فرق و امتیاز نہیں تھا، ضعیفوں اور مسکینوں کو بھی یہ احساس ہوتا کہ آپ کے نزدیک ان کی بہت قدر و قیمت ہے، یہاں تک کہ ان کا غائبانہ تذکرہ بھی فرماتے۔

ایک کالی کلوثی عورت..... مدینہ کی مسجد میں جھاڑو لگاتی تھی، چند دنوں تک وہ آپ کو نظر نہیں آئی، آپ نے ان کے بارے میں تحقیق کی تو پتہ چلا کہ اس نے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا ہے، صحابہ نے یہ سوچا کہ یہ مسکین اس لائق کہاں ہے کہ اس کے موت کی خبر آپ ﷺ کو دی جائے، لیکن آپ نے ان کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی۔

چودہ سو سال پہلے کی ایک حسین خبر جس پر عمل کرنے کے لئے ہر شخص کو ریس لگانی چاہئے:

زاہر بن حرام دیہات کے ایک کالے کلوتے اور غریب شخص محمد ﷺ کے پاس آیا جایا کرتے تھے، وہ آپ کے لئے دیہات سے کچھ تحائف لے کر حاضر ہوتے اور آپ ان کی واپسی کے وقت ان کو شہر کی چیزیں عنایت فرماتے اور آپ کہتے کہ: زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم اس کے شہر ہیں۔

ایک دن وہ مدینہ آئے اور آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف فرما نہیں ہیں، چنانچہ وہ اپنا سامان لے کر بازار چلے گئے کہ اسے فروخت کر دیں، جب آپ ﷺ کی واپسی ہوئی تو معلوم ہوا کہ زاہر آئے تھے، چنانچہ آپ ان کو تلاش کرتے ہوئے بازار آگئے، دیکھا کہ وہ اپنا سامان فروخت کر رہے ہیں، ان کو بے حد پسینہ چل رہا ہے، آپ ﷺ ان سے چپتے ہوئے ان کے پیچھے آئے اور ان کی آنکھوں کو بند کر دیا، انھیں پتہ نہیں چلا کہ یہ کون ہیں، وہ گھبرا گئے اور کہا کہ: کون ہو؟ مجھے چھوڑو، آپ ﷺ خاموش رہے، جب زاہر کو احساس ہوا کہ یہ ”آپ“ ہیں تو ان کو اطمینان ہو گیا اور وہ اپنا پشت آپ کے سینے سے لگانے لگے، پھر آپ ﷺ نے

ان سے دل لگی کرنے کے لئے آواز لگائی کہ: کون اس غلام کو خریدے گا؟ زاہر نے اپنا حال دیکھا کہ میرے پاس نہ تو مال ہے نہ حسن و جمال ہے، بے اختیار انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو میری قیمت بہت کم ملے گی، میں بہت سستا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن تم اللہ کے نزدیک سستے نہیں ہو، خداوند تعالیٰ کے یہاں تمہاری بہت قیمت ہے۔ (مسند احمد 12669)

غریب یہ نہیں کہتا کہ مالدار لوگ مال و طعام کے بخیل ہیں بلکہ وہ فقیروں اور غریبوں کے ساتھ مہربانی، حسن معاشرت اور لطف سے خالی ہیں، بہت سے غریبوں کے چہرے کو دیکھیں، اس کی مسکراہٹ کی قیمت دنیا ادا نہیں کر سکتی، ان کا رویہ اور سلوک دل جیت لینے والا ہوتا ہے، آپ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ممکن ہے کسی تاریک رات میں ان کے اٹھے ہوئے ہاتھ اللہ کے یہاں آپ کا درجہ بڑھادے۔ کتنے ہی پراگندہ حال، غبار آلود بندے جن کو لوگ دروازے سے دھکے دے کر بھگا دیتے ہیں اگر وہ کوئی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دے، لہذا ان کے ساتھ ہمیشہ بشاشت سے پیش آئیں۔

جناب محمد ﷺ کا فرمان تو دیکھیں: ان من احبکم الی واقربکم منی مجلسا یوم القیامۃ احاسنکم خلقا. (ترمذی 2018) مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قیامت میں مجھ سے قریب نشست والا شخص وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہے۔

عورتیں

اللہ پاک نے گرچہ مرد کو مضبوط قویٰ اور بے پناہ طاقت جسمانی عطا کی ہے لیکن اس کے مقابلے میں عورت کو محبت و نرمی کا ایک ذخیرہ عنایت فرمایا ہے، بہت سے ظالم، بہادر اور طاقت ور بادشاہوں نے عورت کی محبت سے مغلوب ہو کر ہار مانی ہے، اس کے ساتھ بھی بہت سے لوگوں کا سلوک انتہائی برا ہوتا ہے، جب کہ محمد ﷺ نے شوہروں کو بیویوں کے ساتھ، باپ کو بیٹیوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کا حکم فرمایا اور بچوں کو یہ بتایا کہ ماں کا درجہ باپ سے تین گنا بڑھا ہوا ہے، صدیوں پہلے کی ایک تصویر دیکھئے:

حجۃ الوداع کا موقع ہے، ہزاروں کالے گورے، بچے بوڑھے، مرد و عورت موجود ہیں کہ پیغمبر محمد ﷺ کی زبان حق ترجمان سے ایک صدا سنائی دیتی ہے: اَلَا اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، اَلَا اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا۔ (ابن ماجہ 1851) عورتوں کے معاملے میں ہمیشہ اچھائی اور بھلائی کو ملحوظ رکھو، ان کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرو۔ کیونکہ عورت شوہر کی بد صورتی کو، اس کی کمزوری کو، اس کی مشغولیت کو تو برداشت کر سکتی ہے، لیکن اس کی بد خلقی اور بُرے سلوک کو کبھی نہیں سہہ سکتی۔ عورت کے سلسلہ میں مزید تفصیلات کے لئے ”عورت قیدی یا شہزادی؟“ (مطبوعہ: دارالکتب دیوبند) کا مطالعہ کریں۔

بچے

آج بچپن کے نہ جانے کتنے واقعات، خوشی کے لمحات، غمی کے موقعے اور حسین و بدترین یادیں ہمارے اور آپ کے ذہنوں میں متحضر ہیں، ذرا اپنے بچپن کو سوچیں تو نہ جانے کیسی کیسی تصویریں ہمارے سامنے آتی جا رہی ہیں، کبھی امتحان میں کامیاب ہونے کی خوشی، انعام لینے کے لمحے ذہن میں آرہے ہیں، پھر کسی نے مجلس میں ہماری حوصلہ افزائی کر دی تو ہماری خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا، یہ سب یادیں بھلائے نہیں بھلتی، پھر وہ ساعت جب ایک شرارت پر مدرس نے مارا تھا، جماعت میں دوستوں سے لڑائی ہو گئی اور ہم آپس میں لڑ پڑے، پھر دوستی کر لی، گویا بچپن کی یادیں سب کو عزیز ہوتی ہیں۔

یقیناً بچوں کے دل کوری تختی کے مانند ہیں، ان کے ذہن میں آپ آسانی کے ساتھ اپنی محبت پیدا کر سکتے ہیں، ان کے سامنے مسکرا دینا، ان کے سر پر ہاتھ پھیر دینا ان کے لئے انتہائی خوشی کا سامان فراہم کرتا ہے، آپ ان کے والدین کی تعریف کریں، ان کو ذہن نشین کرائیں کہ آپ اس سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں، جب وہ اچھا کام کریں تو ان کو انعام سے نوازیں۔

ایک بار میں نے اپنے خاندان کے تمام بچوں کو جمع کر کے ان کے سامنے ”نماز کی اہمیت“ پر ایک تقریر کی، پھر میں نے ان سب سے پوچھا کہ: نماز کی کیا اہمیت ہے؟ ان میں سے ایک لڑکے نے فوراً یہ جواب دیا: ”بین العبد و بین الکفر ترک الصلوٰۃ“ مجھے اس کے اس جواب پر اتنی خوشی ہوئی کہ میں نے اپنے ہاتھ کی کافی قیمتی گھڑی اسے دے دی۔

بہت سے بچوں سے جب آپ اظہارِ محبت کریں گے تو دیکھیں گے کہ جب وہ مسجد سے نکل رہے ہیں تو اپنے والد کا ہاتھ پکڑ کے آپ کے پاس لائیں گے کہ وہ آپ سے ملیں، کیونکہ انھیں یہ احساس ہو گیا کہ آپ اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میں بچوں سے بہت لگاؤ رکھتا ہوں، ان کے ساتھ ہمیشہ میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہوں، تاکہ ان کے دل میں میری محبت پیدا ہو اور وہ مجھ سے مانوس ہوں، پھر کیوں نہ ہو جب کہ محمد ﷺ نے فرمایا: لیس منامن لم یرحم صغیرنا ویؤقر کبیرنا۔ (ترمذی 1919) جو ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

میرے دوستوں میں سے ایک کو بہت ہی خوبصورت بچہ تھا، اب اس بچے کا انتقال ہو گیا، وہ جب بھی میرے پاس اپنے بچے کے ساتھ آتے، میں اس بچے سے کافی دیر تک کھیلتا، اسے بازار سے سامان خرید کر دیتا اور دین کی باتیں سکھاتا۔

ایک دن.... میں ان کے گھر گیا تو وہ اپنے بچے کے ساتھ آئے اور مجھے سلام کر کے کہنے لگے کہ میں اس کا کیا کروں، کل مدرس نے کلاس میں سب سے اس کے مستقبل کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیا بننا چاہتا ہے؟ کسی نے کہا: ڈاکٹر، کسی نے انجینئر، کسی نے پروفیسر، اور اس نے کہا کہ میں ”عفان عباسی“ کی طرح بننا چاہتا ہوں۔

آپ بچوں کے ساتھ بے التفاتی نہ کریں، ان کو ہمیشہ اہمیت دیں، مثلاً ایک شخص مجلس میں آیا، سبھی لوگوں سے مصافحہ کیا، لیکن ایک شخص کا بچہ بھی وہاں بیٹھا ہے، اس نے اُس سے غفلت برت دی، یا اس سے ایک ہاتھ سے مصافحہ کر لیا، یا اس کی طرف دیکھ کر صرف مسکرا دیا، یا ہاتھ ہلا دیا، یعنی اس کے ساتھ اوروں سے ہلکا برتاؤ کیا، یہ گرچہ غیر مضر ہے، لیکن ایسا کرنا مناسب نہیں ہے، اگر آپ اس کے ساتھ سبھی

لوگوں جیسا سلوک کریں گے تو اس کے اور اس کے والدین کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوگی، ذرا مربی اول کی درسگاہ میں جا کر دیکھیں کہ آپ بچوں کے ساتھ کیا معاملہ فرماتے تھے۔

آپ کو انس بن مالک کے چھوٹے بھائی یاد آئیں گے کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ مزاح فرماتے، ان کو ابوعمیر کہہ کر بلاتے تھے، انھوں نے ایک چڑیا کا بچہ پال رکھا تھا، اچانک وہ مر گیا، انھیں اس کا بڑا صدمہ ہوا، آپ ان سے دل لگی کر رہے ہیں، ان کو ہنسارہے ہیں، اے ابوعمیر! تمہاری چڑیا کہاں چلی گئی؟ (بخاری 6129) ذرا نگاہ کو دوڑائیں تو زینب بنت ام سلمہ دکھائی دیں گی کہ آپ ﷺ ان کو ”زینب“ کہہ کر پکار رہے ہیں۔ (الجامع الصغیر 915)

آپ جنگ سے واپس تشریف لا رہے ہیں کہ بچے آپ کے استقبال کے لئے آئے ہوئے ہیں، آپ نے ان کو اپنی سواری پر سوار کر لیا۔ آپ راستے میں چل رہے ہیں کہ کچھ بچے کھیل رہے ہیں آپ نے ان کو سلام کر دیا، ان کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر دیا۔

یہ سب صرف انمول یادیں ہی نہیں ہیں بلکہ یہ وہ نمونے ہیں جن سے اچھا اور حسین نمونہ آج تک چشمِ فلک نے نہیں دیکھا، یہ اس لئے نہیں ہیں کہ انھیں صرف سرسری نظر سے پڑھ لیا جائے، بلکہ.....

مخالفین اور دشمن

ہمارے پیشوا اور مقتدی اپنے مخالفین کے ساتھ بھی انتہائی عدل والا معاملہ کرتے، ان کے ساتھ بھی انتہائی محبت سے پیش آتے، ان کی تکلیفوں اور گالیوں کو برداشت کرتے، انھیں درگزر فرماتے، ان کی بدسلوکی سے چشم پوشی فرماتے اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ کے خدا نے آپ سے ان لفظوں میں مخاطب فرمایا: میں نے آپ کو ”سماری دنیا کے لئے“ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

یہود بے بہود کی نالائقی کا حال کس سے پوشیدہ ہوگا، انھوں نے آپ سے ایک بار کہا: السام علیکم۔ یعنی تم پر موت ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وعلیکم۔ اور تم پر بھی۔ صدیقہ سے صبر نہیں ہوا، انھوں نے غصہ میں کہا: علیکم السام، ولعنکم اللہ وغضب علیکم۔ تم پر موت ہو، اللہ کی لعنت اور پھٹکا رہو اور اس کا غضب نازل ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! کنٹرول کرو، ہمیشہ نرمی والا معاملہ کرو، سختی اور فحش گوئی سے اجتناب کرو۔ (بخاری 6024)

وہ ایسے کریم تھے جو اپنی بات سے پہلے اپنے عمل سے مخالفین کو اپنا گرویدہ بناتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا اسی کی قدم بوسی کرتی ہے جس کے خون بلکہ رگ رگ میں نرمی و حسن اخلاق پیوست ہو، اچھا سلوک جس کا دین ہو، جو نہ صرف انسان کے ساتھ بلکہ حیوانات کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرتا ہو۔

محمد بن عبد اللہ ﷺ ایک بار سفر میں تھے، آپ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے، اتنے میں آپ کے اصحاب نے ایک چڑیا کو دیکھا جو اپنے دو بچوں کے ساتھ

تھی، بعض اصحاب نے اس کے دونوں بچوں کو پکڑ لیا، آپ جب واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ اس کی ماں ارد گرد پریشان پھر رہی ہے، آپ ﷺ کو جب پورے معاملے کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے بچے کو واپس کرنے کا حکم فرمایا۔ (ابوداؤد 2677)

ایک بار آپ ﷺ کے صحابہ نے چیونٹیوں کے سوراخ کو آگ سے جلادیا، آپ ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ غصہ ہوئے اور فرمایا کہ: خدا کے سوا آگ میں کسی کو سزا دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ (ابوداؤد 2677)

آپ ﷺ وضو کے لئے پانی لے کر بیٹھے، اتنے میں ایک بلی آکر سامنے کھڑی ہو گئی اور آپ کو ٹکٹی باندھ کر دیکھنے لگی، آپ نے اسے اس برتن سے پانی پلایا پھر وضو کیا۔ (مسند ابی یعلیٰ 4951)

درحقیقت اللہ پاک نے انسان کو تمام مخلوق پر فضیلت بخشی ہے لیکن یہ خود غرض انسان کسی کا خیال نہیں رکھتا، کاش یہ اپنے ہم جنس کا اور جس سے فائدہ اٹھاتا ہے (جانور) کا تو لحاظ رکھ لے!

بشاشت اور مسکراہٹ

مال کا عاشق مال حاصل کرنے کے لئے ہزاروں جتن کرتا ہے، وہ تجارت اور نفع کے تمام اصولوں کو سیکھ کر اس کو ذہن نشین کرتا ہے، ہر کمپنی اور تاجر اپنے نفع کے لئے نہ جانے کتنے کتنے رطب و یابس ملاتی ہے، اسی طرح دل جیتنے والے کو چاہئے کہ وہ بھی جہاں گیری اور جہاں بانی کے اصولوں پر کار بند ہو۔ جس کا سب سے پہلا اصول ہے ”کسی سے مسکرا کر ملنا“ لوگوں کے ساتھ بشاشت سے پیش آنا۔ یہ ایسا اصول ہے جو انسان کے لئے اسکرین اور ٹائٹل کا درجہ رکھتا ہے۔

22

مان لیجئے کہ آپ ایک مجلس میں گئے جہاں ۴۰ لوگ بیٹھے ہیں، آپ نے جب پہلے شخص سے مصافحہ کیا تو اس نے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھا کر انتہائی سرد مہری سے آپ کو مرجا کہا، دوسرا شخص اپنے بغل والے سے گفتگو میں مصروف تھا اس کو جب آپ نے سلام کیا تو اس نے آپ کو دیکھے بغیر ہی مصافحہ کیا اور کچھ زیادہ ہی بے اعتنائی برتی، تیسرا آدمی فون پر مصروف تھا، اس نے زبان سے کچھ کہے بنا ہی آپ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا، نہ تو اس نے آپ کو مرجا کہا نہ ہی استقبال کیا۔

لیکن چوتھے آدمی سے جیسے ہی آپ کی نظر ملی تو وہ آپ کو دیکھ کر مسکرایا، جب آپ کو آتے دیکھا تو کھڑا ہو گیا اور آپ سے انتہائی گرم جوشی سے ملا، آپ کے آنے پر خوشی کا اظہار کیا اور آپ کا پرتپاک استقبال کیا، پھر آپ سب کو سلام کر کے مجلس میں بیٹھ گئے۔

آپ کو خدا کے پاک ذات کی قسم! آپ کا دل کس کی طرف کھنچے گا؟

یقیناً اسی چوتھے آدمی کی جانب۔ حالانکہ نہ آپ اس کو پہچانتے ہیں، نہ اس کا نام جانتے ہیں، نہ اس کے کام اور گھر سے واقف ہیں، لیکن پھر بھی اس نے آپ کا دل جیت لیا، کیا اس نے آپ کو اپنا مال دیا؟ یا اپنے منصب و عہدہ سے مطلع کیا؟ یا اپنے حسب و نسب سے واقفیت کرائی؟

نہیں! اس نے صرف آپ کے ساتھ ایک معاملہ اور برتاؤ کیا جس سے آپ اس کے دیوانہ ہو گئے، کیونکہ دل نہ تو قوت سے جیتا جاسکتا ہے، نہ مال سے نہ جمال سے اور نہ ہی حسب و نسب و عہدے اور مرتبے سے، بلکہ یہ اس بھی کم اور سستی چیز میں مل جاتی ہے لیکن پھر بھی کم ہی لوگ اسے حاصل کرنے کی خواہش اور کوشش کرتے ہیں، آپ کچھ لوگوں کو دیکھیں گے کہ لوگ ان کی طرف کھنچے کھنچے چلے آتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ان کے پاس مقناطیس ہے جو ان کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ کیونکہ وہ شخص اچھے اخلاق کو عبادت سمجھتا ہے، وہ ہر انسان و حیوان کے ساتھ بہتر برتاؤ کرتا ہے، خواہ وہ غنی ہو یا فقیر، مدبر ہو یا جلیس۔

محمد بن عبد اللہ ﷺ نے انس بن عبد قیس سے فرمایا کہ: تم میں دو عادتیں ایسی ہیں جن کو اللہ اور رسول پسند کرتا ہے، انس کو بڑی مسرت ہوئی، انھوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہیں؟ تو آپ نے کیا جواب دیا؟ کیا یہ فرمایا کہ وہ رات کو نماز پڑھنا اور دن میں روزہ رکھنا ہے؟ نہیں! آپ نے فرمایا کہ: بُر دباری اور وقار۔ (مسند ابی یعلیٰ 6859)

ایک بار پیغمبر سے کسی نے اس چیز کے بارے میں پوچھا جس کی وجہ سے لوگ سب سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کا خوف اور ”اچھے اخلاق“۔ (ترمذی 2004)

آپ محمد بن عبد اللہ ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کریں کہ وہ لوگوں کے ساتھ کیسا معاملہ اور سلوک فرماتے؟ ان کی غلطیوں کو معاف کرتے، ان کی تکلیفوں کو برداشت کرتے، ان کی راحت کے لئے خود تھکتے، دیکھیں تو سہی آج وہ کسی محتاج کی حاجت روائی کے لئے جا

مزاج کے موافق

کچھ چیزیں ایسی ہیں جسے تمام لوگ پسند کرتے ہیں، بہت سی باتیں سبھی لوگوں کو بری لگتی ہے، لیکن بہت سے افعال وہ بھی ہیں کہ کچھ لوگوں کو اچھے لگتے ہیں مگر کچھ لوگ اسے بُرا سمجھتے ہیں، مثلاً مسکرا کر ملنا سبھی کو پسند ہے، ترش روئی و سخت کلامی تمام انسانیت کو ناگوار ہے، لیکن مذاق کچھ لوگوں کو پسند ہے اور بہت سے لوگوں کو اس سے ناگواری ہوتی ہے، بہت زیادہ گفتگو کرنا کچھ لوگوں کو اچھا لگتا ہے، لیکن کچھ لوگ قلتِ کلام کے قائل ہوتے ہیں، بہت سے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی زیارت کریں، بیمار ہوں تو ان کی عیادت کریں، مگر کچھ حضرات خلوت پسند ہوتے ہیں۔

الغرض لوگوں کے مزاج بہت سے امور میں مختلف ہیں تو آپ سب کے ساتھ اس کی طبیعت کے موافق سلوک کریں تاکہ سب کے سامنے آپ کی مقبولیت ہو، کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آدمی اپنے ہم مزاج و ہم مشرب لوگوں کے ہی قریب جاتا ہے، وہ اسی کے ساتھ ملتا جلتا ہے جو اس کا ہم خیال، ہم مزاج اور طبیعت کے موافق ہو۔

ایک شخص نے دیکھا کہ ایک شکر اُسی کوٹے کے ساتھ فضا میں اُڑ رہا ہے، اسے حیرت ہوئی کہ پرندوں کا بادشاہ ایک معمولی چڑیا کے ساتھ کیوں اُڑ رہا ہے؟ اس نے سوچا کہ شاید دونوں کسی خصلت میں ایک جیسے ہوں گے، چنانچہ اس نے دونوں پرندوں کا تعاقب کیا، جب وہ دونوں زمین پر اترے تو اس نے دیکھا کہ ”دونوں لنگڑے ہیں“

چاہئے کہ ہر ایک کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو اس کے مزاج کے مطابق ہو۔ جب بچے کو معلوم ہو کہ اس کے والد کم گوئی کو پسند کرتے ہیں تو وہ ان کے سامنے قلت

رہے ہیں، ارے! اب کسی دشمن کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے اسے ایمان کی دعوت دے رہے ہیں، آج مسلمانوں کے جھگڑے کا فیصلہ کر رہے ہیں اور اسی سبب میں آپ کی عمر گزر گئی، آپ کے اعصاب جواب دینے لگے، آپ نحیف ہوئے گئے کہ صدیقہ عائشہؓ نے بیان کیا: آپ ﷺ کو جب لوگوں نے تھکا دیا تو آپ ﷺ عموماً بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ لیکن پھر بھی آپ نے حسنِ اخلاق کو ترک نہیں فرمایا، آپ ﷺ کی زبان کے الفاظ ہیں:

”اے خدا! جیسے تو نے میری خلقت بہترین بنائی اسی طرح میرے اخلاق اچھے بنا“۔ (مسند احمد 3823)

کیا ہم اس بات کے محتاج نہیں ہیں کہ ہمارے اخلاق مسلم و غیر مسلم ہر ایک کے لئے بہترین ہوں تاکہ مسلمان کے حق میں خیر و بھلائی ہو اور غیر مسلم کو اسلام کی حقیقت سمجھ میں آئے؟

حضرت جریر بن عبد اللہ بخاریؓ کہتے ہیں کہ جناب نبی ﷺ جب بھی میری طرف دیکھتے تو مسکراتے۔ (بخاری 3035)

ایک تو دائمی بشارت ہے کہ آپ کا چہرہ ہمہ وقت کھلا ہوا ہو، ہر وقت آپ کے چہرے پر مسکان سج ہوئی ہو، اگر آپ مدرس (Teacher) ہیں تو کلاس میں مسکرا کر داخل ہوں، آپ کہیں جا رہے ہیں تو راستے میں لوگوں سے مسکراتے ہوئے ملاقات کریں، آپ مجلس میں بیٹھیں ہیں کہ ایک شخص آیا اور باواز بلند سلام کر کے سب کے چہرے پڑھنے لگا، آپ جواب دے کر انھیں دیکھتے ہوئے مسکرا دیں کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائے کہ: فلاں نے تو مجھ پر جادو کر دیا ہے، جب بھی ملتا ہے بشارت اور ہنس کر ملتا ہے۔

کسی سے مسکرا کر ملنا آپسی غصہ، شک و تردید، بغض و کینہ اور حسد کو ختم کر دیتا ہے، درحقیقت لوگوں پر اپنا اثر ڈالنے اور انھیں اپنا گرویدہ بنانے کے لئے بشارت و مسکراہٹ بہت ضروری ہے۔ تو پھر مسکرائیے۔ ابھی سے مسکرانے کی عادت ڈالئے۔

کلام کے نسخے کو اپنائے تاکہ والد اس سے محبت کریں۔ بیوی اگر جان لے کہ میاں صاحب کو دل لگی بہت پسند ہے تو وہ اس کے ساتھ خوب دل لگی کرے، تاکہ دونوں کے رشتے میں پائیداری ہو۔

لیکن حقیقت یہ ہے اور اس پر افسوس بھی ہے کہ کم ہی لوگ اس فارمولے پر عمل کرتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ تمام لوگوں کے مزاج بالکل ایک جیسے نہیں ہوتے، بلکہ سب کی طبیعتیں الگ ہوتی ہیں اور آپ ”ہر“ دل عزیز اسی وقت بن سکتے ہیں جب سب کے ساتھ اس کی طبیعت کے موافق اور اس کے مزاج کے مطابق کام کریں۔

مجھے آج ایک بوڑھی امّاں یاد آرہی ہے، اس کے چار بچے تھے، لیکن وہ ایک لڑکے کی بہت تعریف کرتی، جب بھی وہ آتا تو امّاں بڑی خوش ہو جاتیں، جب کہ اس کے بقیہ لڑکے بھی اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے، لیکن اس کا دل بس اسی لڑکے میں اٹکا رہتا، مجھے تجسس ہوا اور میں نے اس کا راز اور سبب معلوم کرنا چاہا۔ چنانچہ میں اس لڑکے کے پاس بیٹھ گیا اور اس سے اس کی وجہ معلوم کی تو اس نے کہا کہ: مشکل یہ ہے کہ میرے دوسرے بھائی میری ماں کے مزاج کو نہیں سمجھ سکے ہیں، جب وہ لوگ ماں کے پاس بیٹھے ہیں تو ماں کو بوجھ لگنے لگتا ہے اسی لئے ماں ان میں دل چسپی نہیں لیتی۔

اصل بات یہ ہے کہ میری ماں بھی اور بوڑھی عورتوں جیسی ہیں، ان کو عورتوں والی باتیں اچھی لگتی ہیں کہ فلاں کو کتنے بچے ہیں؟ کون بڑا ہے، کس کی شادی ہوئی، کس کو طلاق پڑی وغیرہ وغیرہ، میں تو اس سب کو بے کار سمجھتا ہوں لیکن امّاں کو یہ سب باتیں مکرر بھی اچھی لگتی ہیں، چنانچہ جب میں ان کے پاس بیٹھتا ہوں تو یہ سب موضوع چھیڑ دیتا ہوں، اس میں ان کو بڑا مزہ آتا ہے اور وہ بہت خوش ہوتی ہیں۔ یعنی میں ان کے مزاج کے موافق برتاؤ کرتا ہوں، اسی لئے وہ مجھے سب سے زیادہ پسند کرتی ہیں۔

جی ہاں! جب آپ مخاطب کی طبیعت اور اس کے مزاج کو پہچان لیں گے، اس

کی پسند و ناپسند سے واقف ہو جائیں گے، اس کی دل چسپیوں کے مرکز پر مطلع ہو جائیں گے، تو اس کے دل کو اپنا اسیر بنانا چنداں مشکل نہیں ہوگا۔

کوئی ہے جو محمد بن عبداللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ ہر شخص کے ساتھ اس کی طبیعت کے موافق سلوک کرتے، اپنی ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے ساتھ وہ سلوک کرتے جن سے ان کو خوشی ہوتی، صدیقہ عائشہؓ سے مزاج فرماتے، ملاطفت کا برتاؤ کہ:

ایک بار وہ آپ کے ساتھ سفر میں تھی، جب واپسی میں مدینہ قریب آگیا تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم لوگ آگے بڑھو! چنانچہ سب چلے گئے اور آپ نے عائشہؓ کے ساتھ دوڑ لگائی، اس وقت وہ دہلی پتلی ہلکی بدن کی تھیں لہذا آپ سے آگے نکل گئیں۔

ایک زمانے کے بعد..... پھر دونوں کو سفر میں ایک ساتھ جانے کا اتفاق ہوا تو آپ نے پھر ان کے ساتھ دوڑ لگائی اس بار عائشہؓ را بھاری بدن کی ہو گئی تھیں، چنانچہ وہ پیچھے رہ گئیں تو آپ نے فرمایا: ہذہ بتلک۔ یہ پہلی بار کا بدلہ ہے۔ (مسند احمد 26320)

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپ کا برتاؤ اس سے جداگانہ تھا، صفیہؓ و حفصہؓ کے ساتھ الگ معاملہ تھا۔ اسی طرح آپ اپنے اصحاب میں سے ہر ایک کے موافق حال کی رعایت کرتے، ابو ہریرہؓ کے ساتھ خالدؓ جیسا برتاؤ نہیں، ابو بکرؓ کے ساتھ طلحہؓ جیسا معاملہ نہیں اور عمرؓ کے ساتھ اوروں جیسا سلوک نہیں کرتے۔

شان و حالت کی رعایت

ہر شخص کے پاس دل جیتنے کی کنجی، محبت حاصل کرنے اور مخاطب پر اثر ڈالنے کی صلاحیت ہے، یہی چیز لوگوں کی زندگی میں توجہ و دھیان طلب ہے، آپ نے سنا ہوگا کہ ”فلاں صاحب“ ان کے خاص ہیں، فلاں آدمی پرنسپل کے مقرب ہیں، فلاں کی سفارش سب قبول کرتے ہیں، فلاں سب کا چہیتا ہے، فلاں کی بات کوئی نہیں ٹالتا۔ جی جناب! آپ بھی اسی طرح اپنی محبت کی کنجی کو استعمال میں لا کر ہر دل عزیز بن سکتے ہیں، اس کے لئے آپ کو دھیان و خیال رکھنا ہوگا کہ ہر ایک کے ساتھ ایک ہی کنجی اور ایک ہی طریقہ نہ اپنایا جائے، بلکہ سب کے ساتھ اس کے مزاج کے موافق مناسب اور درست رویہ اختیار کیا جائے، کیونکہ ایک ہی لاٹھی سے سب کو نہیں ہنکایا جاتا۔

محمد بن عبداللہ ﷺ ایک دن مسجد میں اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے، اتنے میں ایک دیہاتی مسجد میں داخل ہوا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا، لوگوں نے سوچا کہ وہ آپ کی مجلس میں بیٹھنے کی جگہ ڈھونڈ رہا ہے، لیکن اس نے ایک جگہ دیکھی اور وہاں کھڑے ہو کر آرام سے پیشاب کرنے لگا، آپ ﷺ کے اصحاب غصہ سے بھڑک اٹھے اور اسے مارنے کے لئے دوڑے، مگر محمد ﷺ نے انھیں روکا اور اس دیہاتی کو آرام سے پیشاب کرنے دیا، جب اس نے اپنی ضرورت پوری کر لی تو آپ ﷺ نے اسے انتہائی نرمی کے ساتھ بلایا اور بہت ہی تحمل سے فرمایا کہ: یہ مساجد اس کام کے لئے نہیں ہیں، یہ نماز اور تلاوت کے لئے بنائی گئی ہیں۔

بس آپ نے اسے اتنی ہی مختصر نصیحت کی، وہ شخص سمجھ گیا اور چلا گیا۔

جب نماز کا وقت آیا..... حضور ﷺ امام تھے جب آپ رکوع سے اٹھے تو

سمع الله لمن حمده کہا، مقتدیوں نے اللہم ربنا ولك الحمد کہا، مگر اس شخص نے کہا: اللہم ارحمنا ومحمدا ولا ترحم معنا احدا۔ کہ اے اللہ! ہم پر اور محمد پر رحم فرما اور کسی پر رحم نہ کر۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ جملہ کس نے کہا تھا؟ آپ کو بتایا گیا کہ اس اعرابی نے، چنانچہ آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ: تم نے ایک وسیع رحمت کو تنگ کر دیا، یعنی اللہ کی رحمت تو بہت ہی عام ہے اسے صرف اپنے اور مجھ پر منحصر و تنگ مت کرو۔ (ابوداؤد 380)

غور فرمائیں آپ ﷺ نے کیسے ان کے دل پر قبضہ کیا؟ آپ کو معلوم تھا کہ یہ آدمی دیہات سے آیا ہے، اسے ابو بکرؓ و عمرؓ و معاذؓ و عمارؓ کے مرتبہ علم تک پہنچ نہیں ہے، لہذا آپ نے اس کا مواخذہ نہیں فرمایا۔

معاویہؓ بن الحکم صحابی..... مدینہ میں نہیں رہتے تھے، نہ آپ کی مجلس میں دوام کے ساتھ حاضر ہوتے، ان کے پاس کچھ بکریاں تھیں جنہیں وہ صحراء میں چرایا کرتے تھے۔

ایک دن وہ مدینہ آئے اور مسجد جا کر آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھ گئے، آپ اس وقت یہ بتا رہے تھے کہ اگر کسی مسلمان کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو دوسرے کو یرحمک اللہ کہنا چاہئے، انھوں نے اس کو سن کر محفوظ کر لیا اور چلے گئے۔

جب وہ دوسری بار مدینہ تشریف لائے تو آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک کسی کو چھینک آئی، انھوں نے دیکھا کہ اس نے الحمد للہ نہیں کہا، نہ ہی کسی نے یرحمک اللہ کہا، چنانچہ انھوں نے چھینکنے والے کی تنبیہ کی غرض سے آواز بلند یرحمک اللہ کہا، اتنے میں صحابہ ان کو گھورنے لگے، انھیں لگا کہ میں نے ایسی کیا غلطی کر دی، نماز کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا کہ نماز میں یرحمک اللہ کس نے کہا تھا؟ آپ کو بتایا گیا کہ معاویہؓ نے، آپ نے انھیں بلایا، اور فرمایا کہ:

معاویہ! نماز میں اس طرح کی بات اور دنیاوی گفتگو کی گنجائش نہیں ہے، اس میں تو صرف تسبیح و تحمید تکبیر اور تلاوت قرآن ہوتی ہے۔

معاویہ سمجھ گئے اور پھر انھوں نے جب آپ کے اس لطف و کرم کو دیکھا تو دوسرے اور امور و مسائل پوچھنے لگے۔ (مسند احمد 23813)

بلاشبہ آپ ﷺ مختلف لوگوں کی غلطیوں پر الگ الگ طریقہ سے سب کو تنبیہ فرماتے تھے، آپ کی دل جوئی کا انداز سمجھوں کے ساتھ قطعاً یکساں نہیں تھا، حدیث کے اوراق کو الٹائیں تو معاویہ بن جبل کی امامت کا واقعہ جلی لفظوں میں نظر آئے گا۔

حضرت معاویہ آپ ﷺ کی اقتداء میں عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے محلے چلے جاتے اور وہاں امامت کرتے، ایک دن معاویہ نے سورہ بقرہ کی تلاوت شروع کر دی، لوگ اس زمانے میں تھکے ماندے اپنے کام سے راتوں کو واپس آتے، مختصر اور ہلکی نماز ان کے حال کے لئے مناسب ہوتی، معاویہ کے پیچھے ایک نوجوان اُن کی اقتداء کر رہا تھا، لیکن وہ اتنی لمبی قرأت سہہ نہیں سکا، اس نے نماز توڑ دی اور اپنی انفرادی نماز پڑھ کر گھر چلا گیا۔

جب معاویہ نے نماز ختم کی تو لوگوں نے ان سے بتایا کہ فلاں تو ہمارے ساتھ نماز میں تھا لیکن اچانک اپنی نماز پڑھ کے چلا گیا، معاویہ کو بڑا غصہ آیا، انھوں نے کہا کہ وہ منافق ہے، ہم کل ہی اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دیں گے، جب اس نوجوان کو معاویہ کے اس کلام کی خبر پہونچی تو اس نے کہا کہ: اچھا! میں رسول اللہ کو ان کے کئے کا بتاؤں گا۔

کل کے دن دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، معاویہ نے اس نوجوان کا واقعہ آپ کے سامنے نقل کیا تو اس نوجوان نے فوراً عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! معاویہ تو آپ کے ساتھ نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور وہاں اتنی لمبی قرأت شروع کر دیتے ہیں جو ہماری استطاعت و سکت سے باہر ہوتی ہے، حضور ﷺ نے

معاویہ سے دریافت کیا: نماز میں کون سی سورت لگاتے ہو؟ انھوں نے سورہ بقرہ اور اس جیسی چند طویل اور لمبی سورتیں بتائی، اچانک حضور ﷺ غضبناک ہو گئے اور فرمایا: معاویہ! کیا تم قوم میں فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہو؟ انھیں دین سے متنفر کرنا چاہتے ہو؟ والسماء والطارق، والشمس وضحلها، واللیل اذا یغشی جیسی سورتیں پڑھا کرو۔ (مسند احمد 14226)

یہاں آپ کا تعامل معاویہ کے ساتھ کیسا تھا؟ کیا حضور نے یہاں اُن کے ساتھ اعرابی والا سلوک دوہرایا؟ نہیں! بلکہ آپ کا یہ انداز حضرت معاویہ کی شان و حالت کے عین موافق تھا۔

اسامہ بن زید آپ ﷺ کے چہیتے..... جن کی نشوونما اور تربیت آپ کے سایہ عاطفت میں ہوئی، ایک دفعہ جنگ میں تھے، انھوں نے دشمن کے ایک آدمی پر وار کرنا چاہا، اس شخص نے جیسے ہی اپنے سر پر تلوار کی چمک دیکھی، موت کو اپنے پاس محسوس کیا تو گھبرا کر کہا: اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبده ورسوله اب اسامہ کو بڑی پریشانی ہوئی کہ آیا اس شخص نے سچ مچ اسلام قبول کیا ہے یا محض جان بچانے کے لئے ظاہری طور پر کلمہ پڑھا ہے، جنگ کا وقت، افراتفری کا ماحول، انھیں لگا کہ اس نے اپنی جان ہی بچانے کے لئے کلمہ پڑھا ہے، پس انھوں نے اس کو تلوار ماری اور..... اس کا قصہ تمام کر دیا۔

آج سب مدینہ لوٹ رہے ہیں، فتح و نصرت کی خوشی میں ان کے دلوں پر مسرت رقص کر رہی ہے، اسامہ آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر معرکہ کا حال بیان کر رہے ہیں، اتنے میں اُس قتل کے واقعہ کو انھوں نے بیان کیا، حضور کا چہرہ متغیر ہو گیا، اور فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اس کو قتل کر دیا؟ اسامہ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے نبی! اس نے محض وار روکنے اور جان بچانے کے لئے ایسا کہا تھا، حضور نے فرمایا کہ: کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا کہ اس نے جان بخشی

کے لئے لا الہ الا اللہ کہا ہے؟ آپ اس جملے کو بار بار دہراتے رہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے پر بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟ جب تم سے قیامت کے دن وہ محتاجہ اور خصوصیت کرے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ اسامہ غمر مانتے ہیں کہ: آپ نے اس کلمہ کو اتنی مرتبہ کہا کہ مجھے لگنے لگا کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا کہ مجھ سے یہ گناہ سرزد نہ ہوتا۔ (المعجم الكبير للطبرانی 14966)

الغرض تمام لوگوں کی حالت و کیفیت اور ان کی شان میں یکسانیت نہیں ہوتی، نہ ہی ان کے ساتھ ایک سا سلوک و برتاؤ کرنا مناسب ہوتا ہے، بلکہ سب کے رنگ مختلف ہیں اس لئے سب کے ساتھ اس کے مطابق برتاؤ کرنا لازم ہے۔

لوگ زمین کی طرح ہیں

اگر آپ لوگوں کے مزاج، ان کے افکار و خیالات میں غور کریں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان میں سے کسی کی خمیر میں رفیق، نرمی اور رقت ہے، بعضوں کا مزاج درشت اور سخت ہے، بعض لوگوں کا دل سبزہ زار زمین کی طرح ہے، کچھ لوگوں کے اندر خشک اور بنجر زمین کی صفت پائی جاتی ہے۔

چنانچہ ہر زمین میں پودا اُگانے کی فکر رکھنا خلافِ فطرت ہے، آپ جس طرح سخت زمین پر چلتے ہیں اسی طرح نرم و گیلی زمین پر نہیں چل سکتے، آپ سخت لوگوں کے ساتھ مصلحت و دوراندیشی سے کام لیں گے، نرم مزاج والوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کو اطمینان و سکون حاصل رہے گا۔

بلاشبہ اللہ پاک نے روئے زمین کے تمام حصوں سے ایک مشتمل مٹی لی، پھر ان میں سے مختلف لوگوں کو پیدا کیا، کچھ سرخ و سفید ہیں تو کوئی کالا، کوئی سانولا، کوئی نرم تو

کوئی گرم، کوئی نیک و پاک طینت تو کچھ ان میں بد طینت لوگ بھی ہیں، لہذا آپ لوگوں سے ملتے جلتے وقت ان کے مزاج کا مکمل دھیان رکھیں، خواہ اپنے قریب کے لوگ ہوں جیسے ماں باپ بھائی بہن، یا دور کے پڑوس اور رشتہ دار۔ کیونکہ سب کا مزاج ایک جیسا نہیں ہوتا، ہر ایک کی طبیعت دوسرے سے جدا ہوتی ہے، اسی لئے ا سب کے مزاج کو پہچان کر اس کے موافق برتاؤ کریں۔

مثلاً جب آپ کسی نوجوان کے ساتھ بیٹھے ہیں تو اس سے وہ باتیں نہ کریں جو بوڑھوں و ضعیفوں کے ساتھ کی جاتی ہے، ایک عالم کے ساتھ جاہل جیسا برتاؤ و رویہ اختیار نہ کریں، بیوی کے ساتھ بہن جیسی باتیں نہ ہونے پائے، میرا مقصد یہ نہیں کہ آپ سب کے ساتھ بالکل ہی الگ و بدلا ہوا سلوک کریں بلکہ میرا منشاء یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ تھوڑا الگ ایسا سلوک ہو جو اس کے مزاج کے ہم آہنگ ہو۔

مثلاً: آپ کچھ اُن مہمانوں کے ساتھ بیٹھے ہیں جن کی عمر اسی ۸۰ کے لگ بھگ ہے، وہ آپ کے دادا کی مزاج پر سی کے لئے آئے ہیں، کیا آپ کے لئے مناسب ہے کہ آپ ان کے پاس اپنے دوستوں کے ساتھ پلنگ و سیرو سیاحت کی داستاں چھیڑ دیں، انھیں فنبال کے میچ کی خبریں بتانے لگیں؟ یقیناً اُن کے ساتھ اس طرح کی باتیں کرنا نامناسب ہوگا۔

آپ کے پاس کچھ چھوٹے چھوٹے کمسن بچے ہیں، کیا آپ کو یہ زیب دے گا کہ ان کے ساتھ شوہر و بیوی کے معاملات، ان کے رشتے کی باریکیاں، رشتہء زوجیت کی نکتہ سنجیوں سے دماغ چپکی کریں؟ نہیں! بلکہ لوگوں کے ساتھ وہ باتیں کریں جو اُن کے مطلب کی ہوں۔

ایک شخص کا اس کے بیٹے کے سوا کوئی نہیں ہے، وہ بھی باہر رہتا ہے، تو اس سے اس کے بچے کے بارے میں بات کرنا مناسب ہے، اسے اس پر فخر ہوگا۔

ایک دوکاندار اپنی دوکان کھول رہا ہے، ناگاہ آپ وہاں سے گزرے تو اس سے اس کی دکانداری کے بارے میں بات کریں، اس سے اُس کو خوشی ہوگی، وہ آپ سے دوبارہ ملنا چاہے گا، آپ کے ساتھ اظہار خیال کرے گا، کیونکہ آپ نے اس کے مزاج اور حال کو معتبر مان کر اس کی رعایت کی ہے۔

محمد ﷺ اس کی خوب خوب رعایت فرماتے تھے، آپ کی بات بچوں کے ساتھ الگ ہوتی، عورتوں کی مجلس میں ایسا کلام نہ فرماتے جو مردوں اور بوڑھوں کے ساتھ ہوتی تھی۔ جابر بن عبد اللہ جلیل القدر صحابی ان کے والد معرکہ اُحد میں شہید ہو گئے، اپنے پیچھے نو بیٹیاں اور بہت سارے قرضے چھوڑ گئے، ابھی جابر نے جوانی کی دہلیز پر قدم ہی رکھا تھا کہ یہ سب ذمہ داریاں بیک وقت ان کے سر پر آ پڑی، صبح و شام قرض خواہ ان سے قرض کا مطالبہ کرتے، پھر نو نو کنواری بہنوں کی فکر الگ۔

غزوہ ذات الرقاع میں وہ آپ ﷺ کے ساتھ جنگ میں نکلے، لیکن فقر و تنگدستی اتنی تھی کہ ان کا اونٹ بھی تندرست نہیں تھا، دبلا پتلا کمزور اونٹ جو قافلہ میں سب سے پیچھے رہ جاتا، جابر کو اتنی استطاعت نہیں تھی کہ ہٹا کٹا مضبوط جوان اونٹ خرید لیں، وہ کارواں میں سب سے پیچھے رہ گئے، آپ ﷺ چونکہ پیچھے سے سب کی نگرانی فرما رہے تھے، دیکھا کہ جابر سب سے پیچھے ہیں، آپ نے اُن سے پوچھا: جابر! کیا ہوا؟ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرا اونٹ بڑا سست ہے۔ آپ ﷺ نے اونٹ کو بٹھانے کا حکم دیا اور اپنے اونٹ کو بھی بٹھایا، پھر اپنا عصا لے کر اونٹ کو ہلکے سے مارا، اچانک اونٹ انتہائی پھرتی و جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور نہایت تیز رو بن گیا۔

جابر بڑے خوش خوش آپ ﷺ کے بازو میں چلے جا رہے تھے، آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے، دیکھا کہ جابر ابھی جوانی کے ابتدائی دور میں ہیں تو آپ نے ان کی جوانی کی جل ترنگوں کی رعایت کرتے ہوئے دریافت کیا: جابر! شادی کر لی

کیا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کنواری سے یا بیابھی سے؟ جواب دیا: بیابھی سے۔ آپ کو حیرت ہوئی کہ یہ ابھی نیا نیا جوان ہے، کنواری سے شادی کرنی چاہئے تو آپ نے فرمایا: جابر! کنواری سے کیوں نہیں کی، تم اس سے مزہ کرتے وہ تم سے مستی کرتی؟ جابر نے کہا: میرے والد اُحد میں شہید ہو گئے، انھوں نے مجھ پر نو بہنوں کی ذمہ داری ڈال دی، اگر میں کسی کنواری سے بیاہ کرتا تو وہ میرے بہنوں کی عمر کی ہوتی، پھر بہنوں اور اس کے درمیان اتفاق قائم نہیں رہ پاتا اور گھر جنگ کا میدان بن جاتا، اسی لئے میں نے عمر دراز عورت سے شادی کر لی کہ وہ بہنوں کی سرپرستی بھی کرے۔ (بخاری 2967)

غور فرمائیں یہاں آپ ﷺ نے جابر سے ان کی عمر، شان و حالت دیکھ کر اس کے مناسب بات کی۔

ایک دن آپ اپنی قیمتی زوجہ عائشہ کے ساتھ بیٹھے تھے، آپ ہی بتائیں کہ میاں بیوی تنہائی میں بیٹھ کر کیا روم کی جنگ کی حالت و کیفیت کے متعلق بحث کریں گے؟ یا جنگ میں استعمال ہونے والے آلات حرب کے بارے میں بات کریں گے؟ نہیں! وہ ابو بکر نہیں تھیں۔ یا مسلمانوں کی تنگدستی، ان کی ضرورت کے بارے میں گفتگو کریں گی؟ نہیں! وہ عثمان نہیں تھیں۔ وہ تو آپ کی بیوی تھیں، آپ نے ان سے فرمایا: عائشہ! جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو یا ناراض ہوتی ہو تو مجھے پتہ چل جاتا ہے، انھوں نے کہا: کیسے؟ آپ نے فرمایا: جب تم ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو 'ابراہیم کے خدا کی قسم'، اور جب خوش ہوتی ہو تو 'محمد کے خدا کی قسم'۔ عائشہ نے کہا: یا رسول اللہ! صرف زبان سے نام چھوڑتی ہوں۔ (بخاری 5228)

ہم میں سے ہر ایک شخص خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، مرد ہو یا عورت، سب کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں سے معاملہ کرتے وقت مخاطب کی حالت و کیفیت کی رعایت کریں، کیونکہ اس سے مخاطب کے ذہن میں آپ کی قابل رشک تصویر بنتی ہے۔

الگ مزاج الگ خیال

آپ اپنے ایک سخت مزاج دوست کے پاس جا کر کہیں کہ: یار! میری بیوی بڑی بد مزاج ہے، وہ مجھ پر ہی حکم چلاتی ہے، نہ تو میرا احترام کرتی ہے، نہ مجھ سے کسی کام میں اجازت و مشورہ لیتی ہے۔ وہ یہ کہے گا: اؤے بھائی! سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلتی، سرخ آنکھوں کے بغیر کام نہیں چلے گا، اپنی شخصیت میں مردانگی لاؤ۔

پھر آپ دوسرے دوست کے پاس جائیں جس کی طبیعت میں نرمی و رقت ہو اور اسے بھی یہی بات کہہ کے مشورہ لیں، یقیناً وہ کہے گا: بھائی! یہ رشتہ بہت نازک ہے، اس میں پریشانیاں ہوتی ہیں، لیکن صبر سے کام لینا چاہئے، تحمل و بردباری سے رشتہ کو نبھائو، وہ تمہاری شریکِ زندگی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

دیکھئے مزاج و طبیعت کی تبدیلی کی وجہ سے کس طرح دونوں کی رائیں الگ الگ ہو گئیں، اس لئے محمد بن عبد اللہ ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ قاضی پیاس، بھوک، پیشاب پاخانہ کے تقاضہ کے وقت دو لوگوں کے بیچ فیصلہ کرے، کیونکہ یہ چیزیں انسان کی طبیعت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ (ابن ماجہ 2316)

پچھلے زمانہ میں ایک بہت بڑا خونی آدمی تھا۔ خونی؟ ہاں! خونی.... سفاک..... اس نے ایک دو قتل نہیں کر رکھے تھے، بلکہ ننانوے جانوں کا قاتل تھا، پتہ نہیں لوگ اس کے قریب بھی جاتے ہوں گے یا نہیں؟ شاید اس سے بات بھی کرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی ہوگی۔

ایک بار اسے توبہ کا خیال آیا، اس کو معلوم ہوا کہ ایک گرجا میں بہت بڑا عابد ہمیشہ مصلیٰ پر بیٹھا رہتا ہے، اس کے اوقات دُعا و بُکاء میں ہی گذرتے ہیں، یہ خونی شخص

اُس عابد کے پاس گیا اور پوچھا کہ: میں نے ننانوے قتل کئے ہیں، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ بھلا یہ عابد! اگر اس سے ایک چیونٹی بھی مر جاتی تھی تو اس کا پورا دن روتے ہوئے افسوس میں گذرتا تھا، وہ چیخ پڑا: ننانوے قتل.....؟ ہرگز نہیں، تیری توبہ قبول نہیں ہو سکتی، تیرے لئے توبہ نہیں ہے۔ جب اس قاتل نے اپنے لئے توبہ کا دروازہ بند پایا تو اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی، اس نے جوش میں آ کر تلوار کا ایک وار کیا اور..... اس عابد کی گردن تن سے جدا کر دی۔

کچھ دنوں بعد..... اس کو پھر توبہ کا داعیہ پیدا ہوا، اس نے کسی بڑے عالم کا پتہ کیا، جب وہاں پہونچا تو دیکھا کہ وہ عالم بڑے ہی پر ہیبت و باقار انداز میں بیٹھا ہے، اس نے ہمت کر کے اس سے پوچھا کہ: میں نے سو 100 قتل کئے ہیں، کیا میرے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے؟ اس عالم نے فوراً جواب دیا: سبحان اللہ! تمہارے اور توبہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں، اللہ سب کی توبہ قبول کرتا ہے۔ (ابن ماجہ 2622)

دیکھئے یہاں دونوں کی طبیعت میں اختلاف کے باعث الگ الگ فتوے وجود میں آ گئے، پہلے کے مزاج میں رقت تھی تو اس کا فتویٰ کچھ اور تھا، دوسرے کا مزاج الگ تھا تو اس نے الگ فیصلہ کیا، گویا کہ انسان لوگوں کے مزاج کے مطابق معاملہ کر کے ہزا ہا بلاؤں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

آپ کچھ لوگوں کے ساتھ سفر کر رہے ہیں، مگر سب کے سب بخیل اور مکھی چوس ہیں تو ان سے کچھ خرچ نہ کرائیں، اس سے آپ ان کے محبوب بن جائیں گے۔ اگر آپ بوڑھوں کے ساتھ بیٹھے ہیں تو ان سے وہ باتیں کریں جن سے ان کا سرفر سے اونچا ہو، ان کی دل شکنی نہ ہو، بچوں کے ساتھ کھیل کود، سیر و سیاحت کی گفتگو کریں، اگر آپ نوجوانوں کی جماعت میں ہیں، وہاں سب خوش مزاج و خوش اطوار لوگ ہیں تو کچھ تفریحی اور مزاحی باتیں کریں، اس سے آپ ہر دل عزیز بن سکتے ہیں۔

کے لے آئے ہیں؟ بات بڑھتی چلی گئی، قریش نے غور کیا کہ یہ وقت اپنوں کو ناراض کرنے کا نہیں بلکہ روٹھوں کو منانے کا ہے، چنانچہ انھوں نے حلیس کے معاملہ کو رفع دفع کر لیا۔

پھر قریش نے عروہ بن مسعود کو بھیجا، عروہ نے آپ ﷺ سے کہا: یہاں جتنے لوگ ہیں سب ظاہری طور پر آپ کے ساتھ ہیں، ابھی اگر جنگ شروع ہو جائے تو سب آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ حضرت ابو بکر آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے، جب انھوں نے عروہ کی زبان درازی دیکھی تو ان سے رہا نہ گیا، انھوں نے غضبناک ہو کر کہا: اے لات کے پجاری! لات کی شرمگاہ کو چاٹ، کیا ہم انھیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ کو اب ہوش آیا اور وہ نرم زبان ہو کر آپ کی خوشامد پر اتر آیا، مغیرہ بن شعبہ بھی آپ کے پیچھے کھڑے تھے، انھوں نے اپنا چہرہ خود سے ڈھانک رکھا تھا، عروہ بات کرتے کرتے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کی ڈاڑھی تک لے گیا تو مغیرہ نے تلوار کی نوک سے اس کے ہاتھ کو ہٹا دیا، دوسری بار پھر ویسے ہی ہوا، تیسری بار جب عروہ نے ہاتھ آپ کی طرف بڑھایا تو مغیرہ نے کہا: اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے چہرے کے پاس سے ہٹالو، ورنہ ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، عروہ نے کہا: تمہاری زبان کتنی سخت ہے؟ اے محمد! یہ کون ہے؟ محمد ﷺ نے مسکرا کر کہا: یہ تمہارا بھتیجا مغیرہ ہے، عروہ نے کہا: اے غدار! میرا احسان بھول گیا؟

پھر عروہ چلا گیا، اور قریش کے پاس جا کر کہا: اے قریش! میں قیصر و کسریٰ کے دربار میں گیا ہوں، لیکن میں نے کسی بادشاہ کی اتنی تعظیم نہیں دیکھی جتنی محمد ﷺ کی ان کے اصحاب کرتے ہیں، چنانچہ قریش کے دل میں آپ ﷺ کی بیعت جم گئی، پھر انھوں نے سہیل بن عمرو کو آپ کے پاس بھیجا، آپ ﷺ نے ان کو دیکھتے ہی کہا: اب تمہارا معاملہ آسان ہو گیا۔ پھر صلح نامہ مرتب کیا گیا۔

مزاج کی شناخت

ایک بات ہمیشہ ملحوظ رہے کہ کسی سے بات کرنے سے پہلے اس کے مزاج کو سمجھ لیں، تاکہ آپ اس کے مزاج کے مناسب گفتگو کر سکیں، کیونکہ کسی کے مزاج اور اس کی طبیعت کو پہچاننا بھی ایک بہت اہم اور بڑا کام ہے، دوسروں کے خیالات معلوم ہو جانے سے آپ اُس کے سامنے علی وجہ البصیرت خطاب کر سکتے ہیں۔

حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ انصار و مہاجرین کے 1400 افراد کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے نکلے اور سبھوں نے اپنے ساتھ ہدی کے جانور بھی رکھ لئے تھے، مگر قریش نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا، آپ ﷺ نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا، قریش نے آپ سے صلح کی گفتگو اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے سب سے پہلے مکرز بن حفص کو بھیجا، جو فطرتاً فاجر و عدا شخص تھا، محمد ﷺ نے اسے بتایا کہ وہ صرف عمرہ کے ارادے سے آئے ہیں، جنگ و جدال کا کوئی ارادہ نہیں ہے، مکرز واپس چلا گیا۔

پھر قریش نے حلیس بن علقمہ کو بھیجا، یہ حبشیوں کا سردار تھا، ان کی قوم اللہ کو ماننے والی تھی، جب آپ نے ان کو دیکھا تو ہدی کے جانوروں کو ان کے سامنے کر دیا، جب انھوں نے دیکھا کہ یہ لوگ تو صرف عمرہ کے ارادے سے آئے ہیں تو انھیں خفت ہوئی کہ یہ لوگ تو اتنا نیک ارادہ لے کر آئے ہیں، ہم ان کو اللہ کے گھر سے روکنے والے کون ہوتے ہیں؟ چنانچہ وہ شرم کے مارے آپ کے سامنے نہیں گئے اور واپس جا کر قریش سے کہا کہ: ان کو مت روکو، قریش کے سرکردہ افراد نے ان سے کہا: تم بیٹھ جاؤ، تم دیہاتی کو کیا خبر؟ حلیس کو بڑا غصہ آیا انھوں نے کہا: اے قریش کی جماعت! ہمارا تمہارا معاہدہ ختم، کیا تم ان لوگوں کو روکو گے جو اللہ کے گھر کی زیارت

دیکھا آپ نے محمد ﷺ نے سب کے ساتھ کس طرح اس کے موافق رویہ اختیار کیا؟ مکرز، حلّیس، عروہ اور سہیل سب کے ساتھ اس کے مزاج کے مطابق بات کی، جس کے ساتھ جو برتاؤ مناسب تھا وہی کیا، فرض کریں اگر عروہ کی سخت کلامی سے آپ مرعوب ہو جائے تو کیا صلح حدیبیہ مرتب ہوتا؟ اگر حلّیس سے حرب و ضرب کی بات کرتے، اسے لڑائی کی دھمکی دیتے تو کیا وہ مسلمانوں کی طرف داری کرتا؟ نہیں! اسی لئے جب انسان سامنے والے کا مزاج سمجھ لیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک اور صحیح و مناسب رویہ اختیار کر سکتا ہے، چنانچہ ہر معاملہ میں حتیٰ کہ گفتگو کے دوران بھی مخاطب کے مزاج کی رعایت کرنی چاہئے۔

ہر دروازے کی ایک چابی ہوتی ہے، لوگوں کے دلوں کے دروازے کی کنجی ان کی طبیعتوں کو پہچاننا، ان کی مشکلوں کو حل کرنا، ان کے درمیان صلح و صفائی کرنا، ان سے فائدہ اٹھانا، ان کو فائدہ پہنچانا، ان کے شر سے خود کو اور دوسروں کو بچائے رکھنا ہے۔ لیکن یہ سب چیزیں اسی وقت وجود میں آسکتی ہیں جب کہ آپ ان کے مزاج کو پہچان لیں گے۔ کیسے؟؟؟

ایک باپ بیٹے کے درمیان اُن بن ہو گئی، یہ کھٹ پٹ اتنی بڑھی کہ باپ نے بیٹے کو گھر سے باہر نکال دیا، بیٹا بہت دفعہ گھر لوٹ کر آیا لیکن باپ نے اسے گھر کی دہلیز پر قدم نہیں رکھنے دیا اور اسے چلتا کر دیا۔

آپ ان دونوں کے درمیان صلح کرانا چاہتے ہیں، آپ اس کے باپ کے پاس گئے، اسے قرآن و حدیث سے سمجھایا، نصوص شرعیہ کی روشنی میں قطع رحمی کی مذمت بیان کی، لیکن باپ اس قدر غضبناک تھا کہ آپ کی تقریر دلپذیر اُس پر بے اثر ثابت ہوئی۔

اب آپ کو اس کے مزاج کا پتہ چلا کہ وہ بہت زیادہ جذباتی ہے، آپ نے سوچا کہ اس کے جذبات کو مشتعل کیا جائے، آپ دوبارہ اس کے پاس گئے اور کہا: اے

فلاں! اپنے بچے پر رحم کرو، وہ زمین کو بچھونا اور آسمان کو چادر بنا کر سو رہا ہے، تم کھاپی رہے ہو لیکن وہ بے چارہ بھوکے پیٹ جاگ رہا ہے اور خالی پیٹ سو رہا ہے، کل تم ہی اس کے منہ میں لقمہ ڈالتے تھے، کل تم اسے اپنے گود میں لے کر چلتے تھے، اسے اپنے گلے سے لگاتے تھے، کیا تمہیں گوارہ ہے کہ وہ باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیمی کی زندگی گزارے؟

اس جذباتی کلام کو سنتے ہی اس کے دل میں ہلچل مچ جائے گی، وہ صلح و صفائی کے لئے آمادہ ہو جائے گا، اگر بیٹے کی غلطی ہوگی تو اسے معاف کرے گا اور اگر خود اس کی غلطی ہوگی تو وہ اس پر نادم ہوگا۔

اگر آپ کو اپنے افسر یا پریسڈنٹ سے کچھ دن کی چھٹی لینی ہے اور آپ اس کا مزاج جانتے ہیں کہ یہ اجتماعیت اور بھیڑ بھڑکے کو پسند نہیں کرتا، یہ یکسوئی اور تنہائی کا عاشق ہے تو آپ اس سے اس کے مزاج کے مناسب بات کہیں۔ مثلاً ”میں اتنے دنوں سے اس ازدحام میں تھک گیا ہوں، اب مجھے نشاط و چستی کے لئے کچھ دنوں تک تنہائی کی ضرورت ہے، مجھے آپ تین دنوں کی فرصت دے دیں کہ میں کچھ اوقات یکسوئی میں بسر کر کے نشاط و چستی واپس لے آؤں“

اگر آپ نے دیکھا کہ وہ اجتماعیت کا گرویدہ ہے، ہمیشہ لوگوں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے، تمدنی امور میں دلچسپی لیتا ہے تو آپ اس سے کہیں کہ ”مجھے چند دنوں کی چھٹی دیں کہ میں اپنے والدین اور بچوں سے مل آؤں“ اس کے سامنے اس طرح کی اجتماعی باتوں سے آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔

پیشک ہر انسان کے دل کو کھولنے کی ایک کنجی ہے جو اس کنجی کو پالے گا وہ اسے مناسب طریقہ سے استعمال کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔

باتیں کرنا زیب دیتا ہے، آپ کو کیا لگتا ہے اس سے وہ مطلقہ اُس پڑوسن سے مزید محبت کرے گی، اس کے پاس جانے میں اسے دل چسپی رہ جائے گی؟
نہیں ہرگز نہیں! بلکہ اس کے دل میں قہر و غصہ اور نفرت جوش مارنے لگے گا۔

تو اس کا کیا حل ہے؟ کیا آپ اسے جھوٹ و فرضی باتیں بتادیں؟
نہیں! جھوٹ نہیں، بلکہ مختصر طریقہ سے کہہ دیں کہ بازار میں کچھ کام تھا اسی لئے گئی تھی، اتنا کہہ کر پھر تسلیوں والی باتیں شروع کر دیں کہ اُس کے کرب و بلاء کے لئے یہی موزوں ہے۔

فرض کریں دو دوستوں نے میٹرک کا امتحان دیا، ان میں سے ایک بڑے اچھے نمبرات سے کامیاب ہوا بلکہ فرسٹ آیا، لیکن دوسرا کسی سبجیکٹ میں فیل ہو گیا، یا اس کے نمبرات حد سے زیادہ کم آئے تو کیا اب پاس ہونے والے کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اس کے پاس جا کر خود کو ملنے والے انعامات و اکرامات کی تفصیل بتائے؟
نہیں! بلکہ اس کے پاس جا کر ایسی باتیں کریں جس سے اس کا حوصلہ بڑھے اور اس کی دل شکنی نہ ہو۔

دونو جوان دوست کی ملاقات ہوئی، ایک کا باپ بڑا سخی ہے جو اس پر خوب مال لٹاتا ہے، جب کہ دوسرے والد کے بخیل ہیں، تو کیا سخی کے بیٹے کو چاہئے کہ وہ بخیل کے لڑکے کے سامنے اپنے باپ کی سخاوت کی کہانیاں شروع کر دے؟ وہ اس کی تفصیل بتانے لگے کہ اُس کے باپ اُسے بے حساب پیسے دیتے ہیں؟
نہیں! اس سے تو دوسرے کا دل تنگ ہو جائے گا، وہ احساس کمتری کا شکار ہو جائے گا اور وہ اس کے پاس بیٹھنا بھی گوارہ نہیں کرے گا، کیونکہ اگر آپ اس طرح کی باتیں کریں گے تو اسے آپ سے نفرت اور دوری پیدا ہوگی۔

جناب نبی ﷺ نے دوسروں کے احساسات و جذبات کی رعایت کرنے کی

نفسیات کی رعایت

یہ امر مسلم ہے کہ زندگی میں لوگوں کے مزاج خوشی و غم، مرض و صحت، تو نگری و ناداری اور سکون و اضطراب کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں، اسی وجہ سے ان کے ساتھ معاملہ و برتاؤ کرنے میں اس کا خیال کرنا پڑتا ہے، مثلاً سکون و راحت کی حالت میں مذاق کی بات کرنا ٹھیک ہے، لیکن یہی مذاق حزن و غم اور اضطراب کی حالت میں غیر پسندیدہ ہو جاتا ہے، یعنی لوگوں سے بات کرتے وقت، ان کے ساتھ تصرف کرتے وقت، معاملہ کرنے کے وقت ان کے مزاج کے ساتھ ساتھ ان کے ذاتی تاثر کو بھی مد نظر رکھنی چاہئے۔

ایک عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی، اس کو نہ باپ ہے نہ ماں، اب وہ اپنے سامان سمیٹ رہی ہے کہ اپنے بھائی کے گھر جا کر رہے، اتنے میں اس کے پڑوس کی ایک عورت اس کو دیکھنے آئی، مطلقہ نے اس کو خوش آمدید کہا، اس کے لئے چائے وغیرہ تیار کی، اب وہ پڑوسن اس مطلقہ عورت کو تسلیاں دینے لگی کہ اچانک اس مطلقہ نے پڑوسن سے پوچھا کہ: کل آپ اپنے شوہر کے ساتھ باہر کہاں جا رہی تھیں؟ پڑوسن نے کہا: ”ہائے! کل ”اس“ نے بڑا اصرار کیا کہ ہم رات کا کھانا باہر ہی چل کر کھائیں گے، جب ہم بازار گئے تو انھوں نے میری بہن کے شوہر کے لئے ایک شیروانی خرید لی، پھر ہم ایک جونیئرس کی دکان کے پاس پہنچے تو انھوں نے میرے لئے سونے کا ایک ہار خرید دیا کہ میں اسے اپنی بہن کی شادی میں پہن لوں“

یہاں رک کر ایک سوال حل کرنے کی زحمت گوارا کریں کہ اس بے چاری طلاق شدہ عورت پر کیا گزر رہی ہوگی، کیا اس پڑوسن کے لئے اس طرح کی ارمان شکن

تنبیہ کی ہے، آپ کا فرمان ہے: ”مجدوم کی طرف غور سے دھیان دے کر دیکھتے ہی نہ رہو“ اس لئے کہ یہ اس کی مصیبت و غم میں اضافہ کرے گا۔

جب آپ مکہ کے اندر اپنے پوری فوج کے ساتھ داخل ہوئے تو ایک دستہ کا امیر نو جوان ہیر و صحابی حضرت سعد بن عبادہ کو بنایا، سعد مکہ اور اس کے باشندوں کو دیکھ رہے تھے اور ان کی نگاہوں کے سامنے ماضی کی تصویریں ابھر رہی تھی کہ یہی ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کی، انہوں نے ہی سمیہ اور یاسر کو شہید کیا، انہوں نے ہی بلال و خباب کو اذیتیں دی، انہیں تو تمیز سکھانی چاہئے، پچھلے مناظر ان کی نظروں کے سامنے گھوم گئے، انہوں نے جوش میں آکر نعرہ لگانا شروع کر دیا: الیوم یوم الملحمہ۔ الیوم تستحل الحرمہ۔

جب قریش نے یہ سنا تو ان کے اندر خوف کی لہر دوڑ گئی، انھیں ڈر لگنے لگا، چنانچہ ایک عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انتہائی دلدوز انداز میں آپ کے سامنے سعد کی بات اور اپنے ڈر کو بیان کیا، آپ نے ان کی فریاد رسی کرتے ہوئے سعد سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے کو عنایت کر دیا۔ (بخاری 4280)

یہاں آپ نے دونوں کے حال کی رعایت کی کہ قریش کی رعایت کرتے ہوئے سعد سے جھنڈا لے لیا اور سعد کی رعایت کرتے ہوئے جھنڈا انھیں کے بیٹے کو دے دیا، سعد غمگین نہیں ہوئے کہ انھیں قیادت سے محروم نہیں کیا گیا، بلکہ صرف جھنڈا اٹھانے کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا گیا اور قریش خوش ہو گئے کہ جھنڈا ان سے لے لیا گیا۔

اسی کو کہتے ہیں حکمتِ عملی اور ایک تیر میں دو شکار۔ آپ بھی کوشش کریں کہ سب کے دلوں کو جیت لیں، گرچہ ان کی خواہشیں اور مطالبات الگ الگ ہوں۔

کیا اپنا مزاج بدلنا ممکن ہے؟

ماقبل کے عنوان سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ سامنے والے کے مزاج کے مطابق ہمیں بھی اپنا مزاج بدلنا پڑے گا، دوسروں کے افکار و نظریات کے موافق ہمیں بھی اپنی سوچ و فکر میں تبدیلی لانی ہوگی، جو بظاہر ناممکن ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ سامنے والے کے حساب سے اپنی طبیعت میں تبدیلی لانا ممکن ہی نہیں، بہت آسان ہے۔ حضرت عمرؓ کی سخت مزاجی زباں زود خاص و عام تھی، سب ان سے کانپتے تھے، لیکن وہ محمد ﷺ کی صحبت سے سرفراز تھے، اسی لئے ہر ایک کے ساتھ مناسب رویہ اختیار کرتے۔

ایک بار کسی شخص کا اس کی بیوی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا، وہ خراماں خراماں عمرؓ کے پاس چل کر آیا کہ ان سے پتہ کیا جائے کہ: بیوی کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ جب وہ دروازہ پر پہونچا تو سنا کہ: عمرؓ کی بیوی ان پر بے انتہاء غصہ کرتے ہوئے چیخ رہی ہے اور عمرؓ خاموش ہیں، نہ غصہ کر رہے ہیں، نہ مار رہے ہیں، نہ ہی ڈانٹ رہے ہیں۔ وہ شخص بڑا حیران ہوا اور تعجب کی حالت میں واپس جانے لگا، لیکن عمرؓ نے دروازے پر اس کے قدموں کی چاپ سن لی تھی، وہ باہر نکلے اور اسے بلا کر دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں آپ کے پاس اپنی بیوی کی شکایت لے کر آیا تھا لیکن یہاں تو آپ کی بیوی خود آپ پر برس رہی ہے۔ عمرؓ نے کہا: بھائی! وہ میری بیوی ہے، میری شریکِ حیات ہے، میرے گھر کی زینت ہے، میرا کھانا بناتی ہے، میرے کپڑے دھلتی ہے، کیا میں اس کے غصہ پر اتنا بھی صبر نہ کروں؟

دیکھئے حضرت عمرؓ گرچہ فطرتاً سخت تھے، لیکن پھر بھی انہوں نے سامنے والے کی شان و حالت کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیا۔

غصہ + غصہ = پریشانی

یہ ہماری زندگی کے مسلمات میں سے ہے کہ دو غصہ در جوڑے کا ایک ساتھ زندگی بسر کرنا، ان کا آپس میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہ لینا ناممکن ہے۔

ایک دفعہ میں نے قتل کی تقریباً 80 رپورٹیں پڑھی، جب میں نے قتل کے عمومی اسباب پر غور کیا تو اس کا سبب اصلی غصہ تھا، اچانک میری نگاہ کے سامنے وہ تصور گھوم گیا کہ محمد بن عبد اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ: آدمی پچھاڑ دینے اور اکھاڑہ جیت لینے سے پہلوان نہیں بنتا، پہلوان تو وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

جی ہاں! ہیر و اور طاقتور ہونے کا معیار بدن کی طاقت و قوت اور لوگوں پر ظلم و جبر کے ذریعہ غالب آجانا نہیں ہے، کیونکہ اگر یہی حقیقی قوت کا معیار ٹھہرا تو اس سلسلے میں جانوروں کو انسانوں پر فضیلت حاصل ہونی چاہئے، جانوروں کو اس پر فخر و غرور ہونے لگے۔

یقیناً اصلی مرد وہ شخص ہے جو اپنی عقل کے ذریعہ یہ فیصلہ کر لے کہ کس وقت کس طرح کا فیصلہ کس کے ساتھ مناسب ہے، کس موقع پر بیوی کے ساتھ، والدین کے ساتھ، ملازم و وکاندار کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے، حدیث شریف میں ہے کہ: قاضی کو غصہ کی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔

آپ ﷺ نے اسی لئے حلم و بردباری کا حکم فرمایا۔ غصہ کو قابو میں رکھنا عبادت قرار دیا۔ اگر آپ پہلی بار غصہ کو کنٹرول کریں گے تو آپ کو 100% پریشانی ہوگی، پھر دوسری مرتبہ 80% الجھن ہوگی، لیکن تیسری بار آپ کو صرف 70% ہی مشقت ہوگی، اس طرح بتدریج آپ کی طبیعت اور آپ کے مزاج کے اندر بردباری اور نرمی آجائے گی، تا آنکہ آپ بردبار جائیں گے۔

جناب محمد بن عبد اللہ ﷺ کا اخلاق یہ تھا کہ آپ عذر پیش کرنے والوں کے عذر قبول فرماتے، گنہ گاروں کے ساتھ بھی حسن ظن رکھتے، جب بھی کوئی آدمی نافرمانی کا ارتکاب کرتا تو آپ اس کے جرم سے پہلے اس کے ایمان و اعمالِ صالحہ کی طرف نظر فرماتے، کسی سے بدگمانی نہ فرماتے، غصہ سے گریز کرتے اور سب کے ساتھ اچھا سلوک و رویہ اختیار کرتے۔

در اصل آپ لوگوں سے معاملہ کرتے وقت اپنی شخصیت کو اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں، ان کی عقلیں اپنے اندر آپ کا تصور ویڈیو کیمرے کی طرح منعکس کرتی رہتی ہیں اور وہ آپ کے سارے معاملات کا دار و مدار بن جاتی ہے، چنانچہ اگر آپ کی بنیاد مضبوط ہو تو وہ اُس درخت کی طرح بن جاتی ہے جس کی جڑ انتہائی تناور ہو، تیز آندھیاں اس کی ڈالیوں کو ہلا تو سکتی ہیں، مگر اس کے جڑ کو اکھاڑ کر پھینک نہیں سکتیں، آپ کی شخصیت اس پہاڑ کی طرح بن جاتی ہے جس کو ہوائیں ٹلا نہیں سکتیں، اس سمندر کی مانند جس کی موجوں پر بڑکا اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

آپ پر کسی نے خواہ مخواہ غصہ کیا، آپ اُس پر نرمی کر دیں، اس پر بھڑکنے کے بجائے نرمی سے اُس کی بات سننے رہیں، اگر وہ ذرا بھی ہوش مند ہوگا تو فوراً اُس کا غصہ خوشامد میں تبدیل ہو جائے گا۔

میں سزا دی اور اس کا اخراج کر دیا، مگر اس استاد کی بات ہر شخص کی زباں پر جاری ہوگئی، مدرسے کے ہر گوشے میں اس کا چرچہ ہونے لگا، رفتہ رفتہ دوسرے مدرسوں میں بھی اس ہتک آمیز واقعہ کا تذکرہ پہنچ گیا اور یہ واقعہ ضرب المثل بن گیا۔

لیکن ایک دوسرے مدرس کلاس میں داخل ہوئے، انھوں نے بھی سب سے کہا کہ: آج سب کا ہنگامی امتحان ہوگا، ایک لڑکا بالکل پہلے لڑکے کی طرح بھڑک گیا کہ ہم امتحان نہیں دے سکتے، مدرس دُور بین تھے، وہ سمجھ گئے کہ بھونکنے والے کے سامنے بھونکنا اچھی بات نہیں، انھوں نے مسکرا کر اُس سے کہا: کیا آپ امتحان نہیں دینا چاہتے ہیں؟ اس نے چیخ کر کہا: نہیں! ہرگز نہیں۔ استاد نے کہا: ٹھیک ہے، آپ بیٹھے رہیں، کوئی بات نہیں۔ پھر استاد لڑکوں کو سوالات لکھانے لگے، اس لڑکے نے پھر چیخ کر کہا: ہم امتحان نہیں دے سکتے، استاد نے نہایت متانت و سنجیدگی سے کہا: کوئی بات نہیں آپ امتحان نہ دیں، میں نے یہ تھوڑی نا کہا ہے کہ آپ کے لئے امتحان دینا بالکل ضروری ہے، چلئے آپ اس سے بری ہیں، یہ کہہ کر استاد سوالات لکھانے میں مصروف ہو گیا، اب اس لڑکے کو قرار نہیں آیا، اس نے بھی اپنی کاپی نکالی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ سوالات لکھنے لگا۔

آگ بھڑکانے اور بجھانے کی صلاحیت سب کے اندر ہوتی ہے، مگر دیکھئے کس طرح اس دوسرے مدرس نے موقع پر اپنی مہارت کا استعمال کر کے اپنے برتاؤ کو اس قابل بنایا کہ ایک محروم قسمت شخص بھی اپنی ضد چوڑنے پر مجبور ہو گیا، کسی بد مزاج کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے نفرت کی آگ زیادہ ہی بھڑکنے لگتی ہے، کیونکہ عقل مندوں کے یہاں یہ بات مسلم ہے کہ: آگ میں آگ لگانے سے آگ اور زیادہ شعلہ پھینکنے لگتی ہے۔ اسی لئے غصہ کے بجائے نرمی و متانت اور سنجیدگی سے مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے، غصہ مسئلہ کا حل ہونے کے بجائے خود ایک مسئلہ ہے، اس سے ہر ممکن گریز ہی عقلمندی ہے۔

آگ بھڑکانے اور بجھانے کی صلاحیت

کچھ لوگوں کے ساتھ آپ خواہ کتنا ہی بہتر اور اچھا سلوک کریں، لیکن چونکہ ان کی جبلت بُری ہوتی ہے، وہ بد مزاجی اور بد خلقی کے نمونے ہوتے ہیں، ان کی بد مزاجی کا کوئی علاج نہیں ہوتا، اس کا حل یہ ہے کہ ان کے اخلاق پر صبر کیا جائے، ان کی بد خلقی کو احسان و حسن سلوک کے سمندر میں ڈبو دیا جائے، جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ دور اندیشی و مصلحت آمیزی سے کام لیا جائے۔

استاد کلاس میں آئے، انھیں احساس ہوا کہ لڑکوں کو کچھ سکھایا جائے، چنانچہ انھوں نے بیٹھے ہی اعلان کیا کہ کتابیں رکھ دو اور سب اپنی اپنی کاپیاں نکال لو، طلباء نے اس کی وجہ دریافت کی تو استاد نے کہا کہ: امتحان..... آج سب کا ہنگامی امتحان ہوگا۔

سارے طلباء تیار بیٹھ گئے، لیکن ان کے بیچ ایک موٹا ہٹا کٹا، گٹھے جسم والا، سرلیچ الغضب، چھوٹی عقل والا نوجوان بیٹھا تھا، اس نے چیخ کر کہا: نہیں! ہم اس کے لئے تیار نہیں ہیں، نہ آپ نے پہلے اس کی اطلاع دی نہ ہی ہم نے اس کی تیاری کی ہے، یہ ممکن نہیں ہے۔ مدرس بھڑک اٹھے، انھوں نے غصہ سے کہا: بد تمیز! استاد سے منہ لگاتا ہے، جاؤ نکلو یہاں سے، Get out۔ اب لڑکا بھی چیخ پڑا، اس نے بلند آواز سے کہا: آپ باہر نکلیں! یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ آپ کا جب اور جودل چاہے کریں ہم امتحان نہیں دیں گے۔ مدرس نے چیخ کر کہا: نالائق، بد تمیز، گستاخ۔ اب وہ لڑکا کھڑا ہو گیا پھر..... وہ سب کچھ ہوا جو میں بتا نہیں سکتا۔ جو بھی ہوا انتہائی برا ہوا۔

یہ خبر مدیر جامعہ کو پہنچی، انھوں نے اس لڑکے کو استاد کے ساتھ بد تمیزی کی پاداش

اسی طرح اس بات کا بھی مکمل خیال رہے کہ اگر سرد مزاج لوگوں کے ساتھ صرف نرمی سے ہی پیش آیا جائے تو اس وقت بھی معاملہ درست نہیں رہ سکتا، بلکہ آپ کا رابطہ اور معاملہ لوگوں کے ساتھ ایسا ہونا چاہئے جیسے حضرت معاویہؓ کے بال کا سرا۔

معاویہؓ سے کسی نے پوچھا کہ: آپ نے لوگوں پر 20 سال امارت اور 20 سال خلافت کیسے کی؟ انھوں نے جواب دیا کہ: میں نے اپنے اور ان کے درمیان ایک بال رکھا جس کا ایک سرا میرے ہاتھ میں تھا اور ایک سرا ان کے ہاتھ میں، جب انھوں نے اس بال کو کھینچا تو میں نے اسے ڈھیل دے دی کہ کہیں ٹوٹ نہ جائے اور جب انھوں نے اس کو ڈھیل دی تو میں نے اسے کھینچ کر سخت کر دیا۔

پہلی ملاقات

انسان کو کسی سے پہلی بار ملنے میں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ آپ سامنے والے سے ایسا سلوک کریں جس سے آپ کی شخصیت اس کے سامنے مہذب انداز میں ابھر کر جلوہ افروز ہو، وہ آپ سے دوبارہ بلکہ سہہ بارہ ملنے کی تمنا کرے، اسے آپ پہلی ہی ملاقات میں اپنا گرویدہ بنالیں، کیونکہ اکثر لوگ پہلی ہی ملاقات میں آپ کے متعلق 70% فیصلہ کر لیتے ہیں اور آپ کی شخصیت پہلی ہی ملاقات میں ان کے ذہن کے اندر اپنی ایک ہیئت و صورت بنالیتی ہے۔

آج کل لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ بیوی سے پہلی ملاقات میں انتہائی سختی، درشتی و بے رخی سے پیش آنا چاہئے، تاکہ اس پر شوہر کا رعب و دبدبہ اور ہیبت ہمیشہ قائم رہے، جب کہ یہ بہت ہی حماقت و جہالت کی بات ہے۔

جامعہ کے پہلے دن جب استاد کلاس میں آئے تو سب اچانک خاموش

ہو گئے، میں مسکرا رہا تھا، وہ مجھ پر چیخ پڑے: کیوں ہنس رہے ہو؟ میں نے کہا: معاف کریں میں نہیں ہنس رہا ہوں، انھوں نے کہا: ہاں تم ہنس رہے ہو، جانور! تم انسان کے نام پر داغ ہو، جاؤ نکلو یہاں سے اور پہلی فرصت میں گھر چلے جاؤ، میں تم جیسے لڑکوں کو نہیں پڑھا سکتا۔

مجھ مسکین کا تو رنگ زرد ہو گیا، میں پریشانی کے عالم میں اپنی پریشانی سے پسینہ صاف کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو دیکھنے لگا، استاد نے مجھے ترش روئی سے دیکھا اور کلاس سے باہر نکال دیا، میں باہر نکل کر وہیں برابر میں کھڑا ہو گیا۔

اب مدرس نے کلاس کے اندر تمام بچوں کو دیکھا اور کہا: میں فلاں مفتی ہوں اور میں فلاں کتاب پڑھاؤں گا، لیکن قبل اس کے کہ میں درس کے متعلق کچھ کہوں، آپ چند سوالات نوٹ کریں، آپ کے پاس 45 منٹ کا وقت ہے، اس میں آپ آزادی کے ساتھ ان کے جوابات قلم بند کریں۔

سوالات

- (1) استاد کا اخلاق کیسا ہونا چاہئے؟ خاص طور پر طلباء کے ساتھ اور کلاس کے اندر کیا سلوک مناسب ہے؟
- (2) کیا آپ انھیں کلاس سے باہر مل کر بھی خوش ہوتے ہیں؟
- (3) ان کے پڑھانے کا کیا انداز ہونا چاہئے؟

سارے طلباء جواب لکھنے میں مصروف ہو گئے، انھوں نے مجھے باہر سے بلایا اور کہا: معاف کرنا! میں نے کسی سبب کے بناء ہی آپ پر غصہ کیا، بیشک آپ طالب علم ہیں، آپ کے اندر علم کی حرص ہے، آپ اپنے گھر بار، ماں باپ اور رشتہ داروں کو چھوڑ

کراتی دور آئے ہیں، جزاک اللہ مجھے معاف کرنا۔ پھر وہ طلباء کی طرف متوجہ ہوئے اور مسکراتے ہوئے کہا:

”انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ پہلی ملاقات میں اپنے ذہن کے اندر دوسرے کی صورت و ہیئت متعین کر لیتا ہے، میں نے اس کی عملی تفسیر دکھانے کے لئے یہ نقشہ اور یہ طریقہ اختیار کیا، لیکن اس بے چارے کو قربانی کا بکرا بننا پڑا، یقیناً آپ نے میرے اس عمل سے مجھ پر سخت گویا، سخت گیر اور ترش رو ہونے کا حکم لگا دیا ہوگا، یہ انسان کی طبیعت ہے، چنانچہ ہمیشہ اس کی رعایت ہونی چاہئے کہ آپ کسی سے پہلی بار ملیں تو انھیں یہ احساس دیں کہ آپ کی ساری محبت اسی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔“

بلاشبہ محمد ﷺ پہلی ہی ملاقات میں لوگوں کا اپنا گرویدہ بنا لیتے، اپنی سحر آفریں تقریر سے پہلے اپنے سلوک اور اپنی باتوں سے اُسے اپنا بنا لیتے۔

ایک آدمی نے آپ سے کچھ مال مانگا، آپ نے اسے ایک وادی کے بقدر بکریاں عنایت فرمادی، وہ قوم میں گیا اور اعلان کیا کہ: لوگو! اسلام لے آؤ، کیونکہ محمد ﷺ اتنا اور ایسا دیتے ہیں کہ فاقہ و فقر و تنگدستی سے نہیں ڈرتے۔ (مسند احمد 14061)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ لوگ آپ کے پاس صبح میں صرف دنیا کے طلب گار بن کر آتے، لیکن شام سے پہلے پہلے ان کی یہ حالت بن جاتی کہ ان کے نزدیک دین سے زیادہ محبوب و مرغوب اور دنیا سے زیادہ تکلیف دہ اور مبغوض چیز کچھ نہ ہوتی۔ (مسند احمد 12813)

بلاشبہ پہلی ملاقات آپ کی شخصیت کی عکاس ہوتی ہے، لہذا ہر ایک کے ساتھ ایسے ملیں جیسے آپ اس سے پہلی اور آخری بار مل رہے ہیں۔

میری زندگی نے مجھے سکھایا...

میں جب حضرت عمرؓ کی شہادت کا قصہ بیان کرتے ہوئے یہاں پہنچا تو میری آواز اچانک بلند ہو گئی ”ناگاہ بولوء، لومجوسی نکلا اور عمرؓ پر تین وار کیا، پہلا سینہ میں، دوسرا پیٹ میں، پھر پوری طاقت سے آپ کے ناف کے نیچے ایک بھر پور وار کیا کہ آپ کی انٹریوں کا کچھ حصہ باہر نکل آیا“ میں نے اس وقت لوگوں پر نگاہ ڈالی تو کچھ لوگوں نے کرب سے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں، بعض رونے لگے تھے، مگر ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، گویا وہ ایک تماشہ دیکھ رہے ہوں۔

مجھے میری زندگی نے یہ بتایا ہے کہ میرے سامنے کچھ لوگ عقل و شعور والے ہیں جن کے ساتھ معاملہ کرنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں، کوئی تکلف نہیں، لیکن کچھ افراد ایسے سخت اور بھدے بھی ہیں، جنہیں نہ گفتگو کرنے کے آداب ہیں نہ ہی کسی سے ملنے کا سلیقہ، نہ ہی وہ سامعین کی حالت سمجھتے ہیں۔

اسی دوسری قسم کا ایک آدمی مجلس میں بیٹھا تھا، اس نے اپنے ساتھ پیش آئے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ”وہ گدھے جیسا موٹا تھا“ اور اپنے بازو میں بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا ”اس خالد کی طرح“، یعنی اس نے خالد کو گدھا بنا دیا۔ تو میں نے سوچا بلکہ عزم اور عہد کیا ہے کہ میں لوگوں سے معاملہ کرنے کے وقت، لوگوں سے بات کے دوران، تقریر و تحریر اور پیغام رسانی کے وقت مخاطب کی حالت کو سمجھ کر اس کے مناسب رویہ و انداز اختیار کروں۔

لوگوں کی قیمت

انسان کے لئے یہ احساس بڑا خوش گن ہوتا ہے کہ لوگ ان کی حیثیت و قدر و قیمت کو پہچانتے ہیں، سبھی اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں اور اس کے ساتھ خصوصی برتاؤ کرتے ہیں، اگر آپ کسی کو بہت زیادہ اہمیت دیں، اُسے یہ باور کرا دیں کہ آپ کے نزدیک وہ قابلِ قدر ہے تو وہ یقینی طور پر آپ کو محبوب بنا لے گا۔ کیسے؟

ایک شخص تھکا ماندہ کام سے گھر واپس آیا، جب وہ گھر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کے چار بچوں میں سے ایک بچہ کھانا کھا رہا ہے، دوسرا بچہ گیم (Game) کھیل رہا ہے، تیسرا پروگرام کی تیاری کر رہا ہے اور چوتھا کتاب پڑھ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے زور سے کہا: السلام علیکم۔ لیکن اس کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوا، کیونکہ سبھی مصروف تھے، البتہ چوتھا لڑکا بجلت اپنی نشست سے اٹھا، اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا، اس کے سلام کا جواب دیا، اس کے ہاتھ کو چوما اور پھر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔

آپ بتائیں کہ باپ ان چاروں میں سے سب سے زیادہ کس سے محبت کرے گا؟ ظاہری بات ہے اس چوتھے سے۔ اس لئے نہیں کہ وہ ان میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے، یا ان میں ذہنی اعتبار سے سب سے فائق ہے، بلکہ اس لئے کہ اس نے اپنے باپ کو یہ احساس دیا ہے کہ وہ اُس کے نزدیک ایک اہم شخصیت ہے۔

نبی ﷺ اس سلسلہ میں لوگوں کی خوب رعایت فرماتے تھے، وہ ہر ایک کو یہ احساس دیتے تھے کہ اس کا معاملہ خود آپ کا معاملہ اور اس کا غم آپ کا غم ہے۔

38

ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، جناب محمد بن عبداللہ ﷺ اس وقت خطبہ دے رہے تھے، نووارد نے آپ کو دیکھا اور کہا: یا رسول اللہ! آپ سے دین کے بارے میں کچھ سوالات کرنے ہیں، کیونکہ ہمیں دین کا علم نہیں ہے۔ آپ نے بھانپ لیا کہ یہ شخص خطبہ ختم ہونے کے انتظار کے حق میں نہیں ہے، آپ نے اس کی وجہ سے خطبہ منقطع کر دیا، چنانچہ آپ منبر سے اترے، ایک کرسی اس کے سامنے رکھی اور اس کے پاس بیٹھ کر اسے دین کے احکامات سکھائے، پھر آپ نے خطبہ مکمل کیا۔

اللہ اکبر! وہ کتنے عظیم اور کتنے حلیم تھے! بلاشبہ وہ اپنی ہی طرف سے نہیں سوچتے بلکہ دوسروں کی طرف سے بھی سوچتے تھے اور اس کی رعایت فرماتے تھے۔

آپ کے والد ہسپتال میں ایڈمیٹ ہیں، آپ ان کے کمرے میں ان کی تیمارداری کر رہے ہیں کہ آپ کے ایک دوست نے فون کیا اور کہا کہ: کسی چیز کی ضرورت ہے؟ میں آجاؤں؟ آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر شام میں اُس نے فون کیا اور کہا: بازار سے کچھ لانا ہے تو بولو میں لیتا آؤں؟ آپ اس کے شکر گزار اور ممنون ہوئے۔

لیکن اتنے میں ایک دوسرے دوست کا فون آیا اس نے کہا کہ: عثمان یار! ہم سمندر کی سیر کو جا رہے ہیں، آؤ چلتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ میرے والد ہسپتال میں ایڈمیٹ ہیں، بھائی میں نہیں جاسکتا۔ یہ سن کر وہ معذرت وُعا اور آپ کے والد کا حال پوچھنے کے بجائے کہنے لگا کہ: پتہ ہے یار کہ وہ بیمار ہیں، لیکن ہسپتال میں نرس ہیں نا؟ وہ انھیں دیکھ لیں گے، تجھے وہاں رہنے سے کیا ملے گا؟ چل آجا! یہاں مزہ کرتے ہیں۔ یہ باتیں وہ آپ کا مذاق بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

آپ بتائیں کہ آپ اپنے اس موقع فراموش دوست کو کیا کہیں گے؟ اس کے تئیں آپ کے دل میں کیسے خیالات ہوں گے؟ بلاشبہ اس کی قدر و قیمت آپ کے دل سے گھٹ جائے گی، کیونکہ آپ کے کام کو اس نے اپنا کام نہیں سمجھا، اس نے آپ کے

غم میں شرکت نہیں کی، جب کہ لوگوں کا اہتمام کرنے مطلب یہ ہے کہ انھیں یہ احساس دیا جائے کہ ان کا غم آپ کا غم ہے، آپ ہمیشہ ان کے لئے بھلائی و بہترائی سوچتے ہیں۔ مثلاً:

ایک شخص مجلس میں آیا، وہاں لوگ کچا کھج بھرے ہوئے تھے، تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں تھی، آپ نے اس کے لئے تھوڑی سی جگہ اور کشادگی پیدا کر کے مسکراتے ہوئے اسے بلایا اور اپنے پاس بٹھالیا۔ یقیناً اس چھوٹے سے عمل سے آپ نے اس کی محبت پالی۔

لیڈس اسپشلسٹ ڈاکٹر فاطمہ ارشاد..... شہر میں اُن کے سوا اور بھی بہت سی ڈاکٹر موجود ہیں، لیکن ان کی کلنک پر ہمیشہ عورتوں کا جوم رہتا ہے، عورتیں اُن سے بہت محبت کرتی ہیں، سنا ہے عورتوں میں ان کی بہت مقبولیت ہے، ان کا انداز ہی زرا الہے۔ کیوں.....؟؟

انھوں نے اپنی اسسٹنٹ کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ سبھی مریضہ کے نام ان کی مختصر بیماری کے ساتھ لکھ کر انھیں دے دیئے جائیں، پھر وہ نمبرات کی ترتیب سے سب کو دیکھیں گی۔ جیسے ہی کوئی مریضہ ان کے وارڈ میں جاتی ہے تو وہ سب سے پہلے اس کا نام لے کر اس کے مرض کو متعین کر کے اس سے خیریت دریافت کرتی ہیں، پھر دوا تشخیص کر کے اُسے مسکراتے ہوئے دعاء و تسلی کے کلمات کے ساتھ اس طرح رخصت کرتی ہیں کہ مریضہ کی آدھی پریشانی اُسی وقت کا فور ہو جاتی ہے۔

بس اتنی سی بات پر ڈاکٹر فاطمہ ارشاد نے سبھی کی محبت پالی ہے، انھوں نے عورتوں کا اہتمام کر کے انھیں اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔

اگر آپ شائل نبوی ﷺ میں غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ اگر کسی سے مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے جب تک وہ اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا، جب

آپ ﷺ کسی سے بات کرتے تو پورے بدن سے اس کی طرف متوجہ ہوتے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہر عمل میں آپ لوگوں کا اہتمام فرماتے تھے۔

اگر آپ کا دل دوسروں کی محبت سے بھرا ہوا ہوگا، آپ کے ہر عمل سے اس کی خیر خواہی کا جذبہ صالح ٹپکے گا، لوگ آپ کے اندر اپنی محبت دیکھیں گے تو ان کے نزدیک آپ کی حیثیت اور آپ کی مقبولیت بڑھ جائے گی۔ لوگوں کے دلوں میں محبت بھرنا، ان کی وارفتگی حاصل کرنا کوئی ناممکن و مشکل عمل نہیں ہے، بلکہ یہ بہت ہی آسان اور سہل ہے، لیکن ہم اس پر دھیان نہیں دیتے۔

اگر آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو اس سے پوری صراحت کے ساتھ اس کا ذکر کر دینا بھی مفید ہوتا ہے، آپ اپنے ماں باپ بھائی بہن، دوست اور پڑوسی سے بلا کسی تردد کے کہہ سکتے ہیں کہ ”میں آپ سے محبت کرتا ہوں“ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ”میں تم سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں“، اور یہ جھوٹ بھی نہیں ہوگا، کیونکہ آپ اس سے یہود و نصاریٰ سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

ذہن بنئے، اپنی صلاحیت و ذہانت کو استعمال کیجئے اور ہر دل عزیز بن کر زندگی کے لطف حقیقی سے سرشار ہوئیے، لوگوں کے ساتھ ہمہ وقت لطف و محبت کا اظہار اور انھیں ان کی اہمیت کا احساس دیجئے۔ مثلاً:

آپ کا لڑکا اچھا لباس پہن کر آیا اور پوچھا: ابو! میں کیسا لگ رہا ہوں؟ آپ یہاں حساس بنیں، اس کی دل جوئی کر دیں۔

اپنی بیوی، بیٹے، دوست و احباب اور ہر ملنے جلنے والے کے ساتھ متفاعل بنیں۔

ایک شخص نے کہا: الحمد للہ! میرے والد کی طبیعت اب اچھی ہو گئی، اور آپ اس موضوع کو نہیں جانتے یا بھولے ہوئے ہیں تو انھیں یہ نہ کہیں کہ: وہ کب بیمار ہوئے

تھے؟ یا کسی نے کہا کہ: میرے بھائی جیل سے رہا ہو گئے تو آپ یہ ہرگز نہ کہیں کہ: وہ کب جیل گئے تھے؟ کیونکہ اس سے انھیں لگے گا کہ آپ کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت و عزت نہیں ہے۔

زندہ دل بنیں، اپنی باتوں میں، اپنے انداز میں، اپنی تعبیرات میں انیسیت و موانست اور غنخواری پیدا کریں، تاکہ دوسرے لوگوں کے یہاں آپ کی وقعت ہو۔

آپ کے لئے

بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں انسان اپنے لئے نہیں، بلکہ اپنی زندگی کے اندر ”آپ“ کے لئے کرتا ہے۔ آپ کے دوست نے آپ کو کھانے پر بلایا، اس کی بیوی، ماں یا بہن نے آپ کے لئے لذیذ و عمدہ کھانا تیار کیا ہے۔ کیوں؟ اپنے لئے؟ نہیں! آپ کے لئے۔ اپنے لئے تو تکلفات سے ماواری کھانے تیار کئے جاتے ہیں، یہ تکلفات آپ صرف آپ کے ذوق کی تسکین کے لئے ہیں۔

چنانچہ اگر کوئی شخص آپ کے لئے کسی کام کو انجام دے رہا ہے تو یہاں آپ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ آپ بھی اس کے ساتھ اسی کے مطابق معاملہ کریں جس سے اس کو مسرت ہو۔ کیسے.....؟؟

آپ نے اپنے ایک دوست کو دیکھا کہ اس نے بہت ہی عمدہ کپڑا پہنا ہوا ہے، اسے آپ یہ کہہ کر اس کی محبت لوٹ سکتے ہیں کہ: ماشاء اللہ! بہت ہی عمدہ کپڑا ہے، آپ بہت حسین لگ رہے ہیں۔

آپ کے کسی شناسا نے عطر لگایا ہوا ہے جس کی خوشبو آپ کی مشام جان کو معطر

کر رہی ہے، آپ فوراً ایک جملہ کہہ کر اس کے دل میں جگہ بنا سکتے ہیں: واہ! کیا خوشبو ہے، آپ کا ذوق بہت اچھا ہے۔

آپ کسی کے گھر گئے، دیکھا کہ اس کے گھر میں انتہائی بیش قیمت سامان، مزین کرسیاں، عمدہ تکیے، آراستہ و پیراستہ صوفے لگے ہوئے ہیں، آپ اس کی تعریف کر دیں، اس کے حسن انتخاب کی مدح سرائی کر دیں۔

لیکن ہاں! یہاں اس بات کا مکمل دھیان رہے کہ مدح سرائی میں اتنا مبالغہ نہ ہو جائے کہ وہ استہزاء و مذاق کی صورت اختیار کر لے۔

آپ ایک محفل میں گئے، جہاں ایک شخص پورے مجلس پر چھایا ہوا ہے، حاضرین اس کی باتوں پر عیش عیش کر رہے ہیں، آپ نے اس کے ہاتھ کو چوم کر کہہ دیا کہ: ماشاء اللہ! آپ کے بیان میں جادو ہے، آپ کے بناء مجلس سونی ہے۔

ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ اپنے والد کی تعظیم کر رہا ہے، اس کے جوتے سیدھے کر رہا ہے، آپ نے اس کو حوصلہ افزائی کے چند کلمات کہہ دئے۔

آپ کو کسی نے اپنی گاڑی میں لفٹ دی، یا آپ نے کوئی ٹیکسی کرایے پر لی، اس کے اندر کی نظافت، صفائی و ستھرائی اور ڈرائیور کی اچھی ڈرائیونگ کا نظارہ کیا، فوراً اس کی تعریف و توصیف کر دی۔

یہ سب عمل گرچہ بظاہر بہت ہی چھوٹے اور عادی نظر آتے ہیں، لیکن اس کا اثر حد سے زیادہ ہوتا ہے۔ میں نے اس کا بہت سی بار تجربہ کیا ہے، بڑے چھوٹے، ملازم و چوکیدار، بلکہ بڑے بڑے منصب و عہدے والے لوگوں کے ساتھ اس عمل کا اتفاق ہوا ہے، میں نے اس کا عجیب اثر محسوس کیا، خاص کر ان چیزوں میں جس میں لوگ ہم سے ہمارے تبصرہ کا انتظار کرتے ہیں۔ کیسے؟

دولہا..... آپ نے اس سے اس کی شادی کے ایک ہفتہ کے بعد ملاقات کی۔

آپ کا دوست..... کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہوا۔

آپ کا پڑوسی..... اس نے نیا گھر تیار کیا، اور اب اس میں شفٹ ہو رہا ہے۔

یہ سب لوگ آپ سے کسی چیز کی توقع رکھتے ہیں، یہ لوگ آپ سے کچھ سُننا چاہتے ہیں، لہذا آپ ان کے توقعات اور ان کی امیدوں پر پورا اتریں۔

جی ہاں! موقع شناس بن کر لوگوں کی محبت حاصل کیجئے، یہ کام انتہائی ضروری ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی آسان ہے، لیکن اکثر اوقات ہم اس سے غفلت برتتے ہیں۔

اس دنیا کا وہ عظیم انسان جو سب سے زیادہ بلند و بالا اخلاق والا تھا، جس کی شان میں رب تعالیٰ نے انک 'لعلیٰ خلق عظیم' کے الفاظ سے قصیدہ خوانی کی، اس نے ہی ہمیں ایسی مہارتوں و صلاحیتوں کو استعمال میں لانے کی تعلیم دی ہے، اس نے ہمیں اپنے عمل سے اس بات کی تلقین کی ہے کہ ہم موقع شناس بن کر لوگوں کی محبت و الفت حاصل کریں۔

اسلام کے آغاز میں..... جب کفار و مشرکین نے مکہ کے اندر مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا تو انھیں وہاں سے رخصت سفر باندھنا پڑا، عبدالرحمن بن عوف بھی چل دئے، مکہ میں ان کی تجارت تھی، لیکن مدینہ آ کر مفلس بن گئے، آپ ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دی، عبدالرحمن بن عوف کی جوڑی ایک انصاری صحابی سعد بن الربیع کے ساتھ لگی، سعد نے عبدالرحمن بن عوف سے کہا کہ: میں مدینہ کا سب سے زیادہ مالدار آدمی ہوں، تم مجھ سے میرے آدھے مال لے لو، میرے پاس دو بیوی ہے میں ایک کو طلاق دیتا ہوں، تم اس سے نکاح کر لو، عبدالرحمن بن عوف نے کہا: اللہ تمہارے مال و اولاد میں برکت دے، تم مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دو، عبدالرحمن بن عوف نے تجارت شروع

کر دی، اور اتنا نفع حاصل کیا اور اتنا مال و دولت کمالیا کہ چند ہی دنوں میں ایک انصاری لڑکی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک بھی ہو گئے۔

چند دنوں بعد..... وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے اوپر زعفران کا رنگ کا نظر آ رہا تھا، دنیا کے سب سے بڑے دانا و حکیم، موقع شناس نے ان پر عورت کی خوشبو کا اثر محسوس کیا تو ان سے پوچھا: عبدالرحمن! کیا حال ہے؟ عبد الرحمن کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے انصار کی ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے۔ آپ ﷺ کو حیرانی ہوئی کہ اتنے کم دنوں میں اتنا زیادہ مال کہاں سے حاصل ہوا، اس لئے آپ ﷺ نے پوچھا کہ: مہر کتنی مقرر کی؟ انھوں نے کہا: وزن نواۃ من ذهب. حضور ﷺ نے ان کو خوش کرنے کے لئے فرمایا کہ: ولیمہ کرو، گرچہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔ پھر آپ نے ان کی تجارت میں برکت کی دعاء کی۔ (بخاری 2049)

دیکھئے حضور نے کس طرح موقع شناس بن کر ان کی دل جوئی کی؟

الشیء اذا زاد عن حده.....

اس موقع پر ایک خاص بات ملحوظ رہے کہ یہ موقع شناسی اپنی حد اور دائرے کے اندر ہو، بہت سے لوگ کچھ ایسی جگہوں پر بھی تبصرہ شروع کر دیتے ہیں جو درحقیقت Comment کے لائق نہیں ہوتیں، گزشتہ زمانے کے لوگوں نے کہا تھا: الشیء اذا زاد عن حده انقلب الى ضده ومن تعجل فی شئی عوقب بحرمانه۔ کہ کوئی چیز جب اپنے حد سے متجاوز ہو جاتی ہے تو وہ اپنی ضد کی طرف پلٹ آتی ہے اور جو شخص کسی چیز میں جلدی کرتا ہے تو اسے اس سے محرومی کی سزا ملتی ہے، سو ان چیزوں کی تعریف کرنا چاہئے جو واقعی کچھ نہ کچھ لائق ستائش ہوں، پسندیدگی کے الفاظ اس پر موزوں بھی ہو رہے ہوں، اس کے علاوہ وہ باتیں یا وہ چیزیں جنہیں ملاحظہ کرنا خجالت کا سبب ہو، اسے ذکر کرنا شرمندگی کا ذریعہ ہو، وہاں خاموشی سے گزر جانا ہی ہمارا طرہ ہے۔

آپ اپنے ایک دوست کے گھر گئے، وہاں ایک پوووووووورانی و بوسیدہ کرسی رکھی تھی، آپ نے اس سے کہہ دیا کہ: نئی کرسی کیوں نہیں لے لیتے؟ دیوار کا رنگ جاں کنی کے عالم میں ہے، آپ نے کہہ دیا کہ: دیوار کا کلر بہت پرانا ہو رہا ہے نئے رنگ کیوں نہیں کروا لیتے؟

جناب! وہ آپ سے مشورہ تھوڑی نا مانگ رہا ہے، کیا آپ انجینئر ہیں جو اسے اپنی رائے و مشورہ سے نواز کر شرمندہ کر رہے ہیں؟ ممکن ہے وہ اسے کسی وجہ سے نہیں بدل رہا ہو، وہ مالی تنگی کا شکار ہو، شاید وہ..... وغیرہ وغیرہ

مہارت کا غلط استعمال

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم اپنی مہارت اور تفاعل کو کسی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، لیکن فوراً سمجھ میں آتا ہے کہ ہم سے غلطی ہوئی اور یہ بات اس موقع کے مناسب نہیں تھی اور یہ اس کا محل نہیں تھا۔ مثلاً:

آپ نے اپنے ایک دوست کو شاندار کپڑے میں ملبوس دیکھا، آپ نے موقع شناس بن کر فوراً اس سے کہا: ماشاء اللہ! کپڑا بہت شاندار ہے، آپ پر بہت بچ رہا ہے۔ لیکن پھر آپ نے کہہ دیا: ”آپ کی بیوی اس کپڑے میں آپ پر دیوانی ہو جائے گی“ اب اس نے کہہ دیا: کاش آپ کے پاس بہن ہوتی تو میں اس سے نکاح کر لیتا۔ دیکھئے یہاں آپ نے غلطی کر دی، کیا آپ کے ساتھ یہ بہت بھاری مذاق نہیں ہے؟ اس جگہ کیا کرنا چاہئے؟

جی! اگر آپ کبھی اپنی مہارت و صلاحیت کا غلط استعمال کر دیں تو فوراً ہی اس کی تلافی کر دیں، فوراً ہی کوئی دور دراز کی بات چھیڑ دیں، سفر وغیرہ اور پردیس میں رہنے والوں کے بارے میں کلام کرنے لگیں، یعنی لوگوں کو اتنی فرصت ہی نہ دیں کہ وہ آپ کی غلطی میں کچھ غور و فکر کر سکیں۔ عیب یہ نہیں کہ آپ نے غلطی کی، بلکہ عیب یہ ہے کہ آپ اپنی غلطی پر مُصر رہیں۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے تصرف سے سامنے والا غمگین ہو جاتا ہے یا حرج میں پڑ جاتا ہے، مثلاً:

آپ کے دو دوستوں کے درمیان، یا اولاد کے مابین یا آپ کے طلباء کے بیچ

کسی بات میں اختلاف ہو گیا، آپ جان رہے ہیں کہ حق کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ یہاں کیا کرنا چاہئے؟ اگر آپ درست نظریہ والے کی طرف سے بولتے ہیں اور غلطی کرنے کو ملامت کرتے ہیں تو اس کی دل شکنی ہوگی، اور اگر غلطی کرنے والے سے اتفاق کر کے اس کے حق میں بولتے ہیں تو کذب بیانی ہوگی، اگر دونوں کو لڑتے ہوئے چھوڑ دیں تو اصلاح بین الناس پر عمل نہیں ہوگا، ممکن ہے آپ فیصل ہوں تو اس وقت آپ کے لئے کیا موقف اختیار کرنا مناسب اور درست ہے؟

اگر آپ محسوس کر رہے ہیں کہ آپ کی بات سے اُس غلطی کرنے والے کا دل چھوٹا ہو جائے گا، یا اس کا زخم اور گہرا ہو جائے گا تو شعلہ بھڑکانے کے بجائے آپ اس کے زخم پر مرہم لگائیں، اس کے ساتھ مناسب مہارت استعمال کریں۔ کیسے؟ ایک مثال ملاحظہ کریں، کیونکہ مشہور ہے: تمثیل سے تفہیم سے تسہیل ہوتی ہے۔

مکہ فتح ہونے سے پہلے مشرکین کے قبضہ میں تھا، انھوں نے وہاں مسلمانوں کا جینا اور رہنا حرام کر دیا تھا، محمد ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے تشریف لائے تو انھوں نے مسلمانوں کو واپس کر دیا اور یہ صلح ہوئی کہ اگلے سال مسلمان یہاں آکر عمرہ کریں گے۔

ایک سال بعد..... جب آپ ﷺ نے عمرہ کر لیا اور واپس مدینہ جانے لگے تو حضرت حمزہؓ کی بیٹی محمد ﷺ کو ”چچا چچا“ کہتے ہوئے آئی، حضرت علیؓ آپ کے کنارہ چل رہے تھے، چنانچہ جب انھوں نے اس منظر کو دیکھا تو بچی کو اٹھالیا اور اپنی بیوی حضرت فاطمہؓ کو دیا کہ: لو بھتیجی کو سنبھالو۔

جب حضرت زیدؓ نے یہ عالم دیکھا تو انھیں یاد آیا کہ نبی ﷺ نے ان کے اور حمزہؓ کے درمیان مواخات قائم کی تھی اسی لئے وہ آئے اور کہنے لگے: یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے، اسے میں رکھوں گا۔

ادھر سے جعفرؓ آئے اور انھوں نے کہا کہ: یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، اور اس کی خالہ میری بیوی ہے میں اس کا زیادہ حق دار ہوں، لہذا میں اسے رکھوں گا۔

علیؓ کہہ رہے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور میں نے اسے لے لیا ہے۔ جب محمد ﷺ نے ان کا آپسی اختلاف دیکھا تو ان کے درمیان یہ فیصلہ کیا کہ اسے جعفرؓ رکھیں گے، آپ نے فرمایا: الخالۃ بمنزلۃ الام۔ کہ خالہ ماں کے درجہ میں ہے۔

لیکن آپ نے سوچا کہ کہیں علیؓ اور زیدؓ کو برا نہ لگے اسی لئے آپ نے علیؓ سے فرمایا: انت منی وانا منک کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

زیدؓ اور نجور دیکھا تو انھیں اس طرح مانوس کیا: انت اخونا و مولانا کہ تم ہمارے بھائی اور دوست ہو۔

پھر آپ جعفرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: اشبہت خلقی و خلقی کہ تم ظاہری پیدائش اور اخلاق میں میرے مشابہ ہو۔

دیکھئے محمد بن عبد اللہ ﷺ نے کس طرح تمام لوگوں کے دلوں کو صاف کر دیا، اسی طرح آپ بھی.....

تنبیہ کر دیں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، جو چیزیں آپ کے مطلب کی نہیں ہیں اس میں دخل اندازی نہ کریں، من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ حضور ﷺ کی پاک زبان سے کتنا متبرک جملہ نکلا: ترکہ مالا یعنیہ۔ کہ لایعنی اور غیر ضروری امور سے اجتناب کرے۔

کسی نے آپ کے ہاتھ میں گھڑی دیکھی، کتنے میں خریدی؟ آپ نے کہا: ہدیہ کی ہے، اوہ وہ! کہاں سے آئی؟ ایک دوست نے کی۔ کیسا دوست؟ کہاں کا دوست؟ آپ کی دوستی اب تک قائم ہے؟

اب وہ اس بارے میں نہ جانے کتنے سوالات کرے گا گویا وہ اس سامان اور ہدیہ کرنے والے کی خمیر کا پتہ کر کے ہی رہے گا اور آپ اس کے سوالات پر چیخ رہے ہیں ”جو بات آپ کے فائدے کی نہیں ہے اس کے پیچھے نہ پڑیں، خواہ مخواہ اس میں دخل اندازی نہ کریں“

اسی طرح کسی عمومی مجلس میں ایسا سوال نہیں کرنا چاہئے جس سے سامنے والا حرج میں پڑ جائے۔ مجھے یاد ہے کہ:

ایک دفعہ میں شہر کی مسجد میں مغرب کی نماز کے بعد کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا، میرے بازو میں میرے ایک جاننے والے کا فون بجا، انھوں نے ریسو کیا تو ادھر ان کی بیوی تھی: ہیلو! کہاں ہو گدھے کہیں کے؟ انھوں نے کہا: میں ٹھیک ہوں، ادھر سے آواز آئی: میں تمہارے انتظار میں ہوں اور تم اپنے دوستوں کے ساتھ گپ شپ میں ہو، تم جانور ہو۔ انھوں نے جواب دیا: میں عشاء کے بعد آتا ہوں اور فون کٹ کر دیا۔

چونکہ ہلکی ہلکی آواز باہر کو آ رہی تھی، میں سمجھ گیا کہ یہ اپنی بیوی سے مغرب کے بعد آنے کا وعدہ کئے ہوں گے لیکن یہاں مشغول ہو گئے، اب ایک نے ان سے

جو چیزیں آپ کے مطلب کی نہیں ہیں

آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی گندہ کپڑے میں ہے تو اسے کوئی اچھی بات کہیں، یا خاموشی اختیار کر لیں۔ آپ ایک مریض کی عیادت کو گئے، اسے دیکھ کر چیخ پڑے کہ: اوو وہ! میرے اللہ! آپ کا چہرہ کتنا پیلا ہو رہا ہے، آنکھیں کتنی دھنسی جا رہی ہیں، ارے آپ کا جلد تو بالکل سوکھ گیا ہے۔

حیرت ہے آپ پر! کیا آپ ڈاکٹر ہیں؟ اچھی بات کہیں جس سے مریض کو تسلی ہو یا خاموش رہیں من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (انسان کے اسلام کی خوبی میں سے کہ وہ لایعنی اور غیر ضروری کاموں اور باتوں سے بچے)

کتابوں میں لکھا ہے کہ: ایک شخص کسی مریض کے پاس گیا، اس نے مریض سے بیماری دریافت کی، جب مریض نے اپنا مرض بتایا تو وہ شخص چیخ پڑا: آ آ آ یہ بیماری میرے ایک دوست کو ہوئی تھی وہ اسی میں مر گیا، اسی طرح میری گھر والی کے بھائی کو بھی یہی بیماری لاحق ہوئی، وہ بھی نبرد آزما نہیں ہو سکے اور اسی میں جاں بحق ہو گئے، اب مریض اس کو سن رہا تھا اور اندر ہی اندر پھٹے جا رہا تھا۔

جب زائر نے اپنی بات پوری کر لی اور جانے لگا تو مریض سے کہا کہ: کیا آپ مجھے کوئی وصیت کریں گے؟ مریض نے کہا: ہاں! میری تمہیں یہ وصیت اور تاکید ہے کہ تم یہاں سے جانے کے بعد کبھی ادھر کا رخ مت کرنا اور جب کسی مریض کی عیادت کو جانا تو اس کے سامنے کسی مردے کا تذکرہ مت کرنا۔

اے عقل مند مخاطب! خوشی و مسرت کے لئے سامان بہم پہنچانا چاہئے غم اور حزن و ملال کیلئے نہیں، جب آپ کو کوئی چیز بری لگے تو اسے ذکاوت و دانائی کے ساتھ

ان کے ساتھ کیسے معاملہ کریں؟

بسا اوقات آپ کو کچھ ایسے لوگ ملیں گے جو آپ کو طرح طرح کی کلفتوں اور پریشانیوں میں مبتلا کریں گے، مثلاً کچھ لوگ آپ کے بچے سے اُس کی 'امی' کا نام معلوم کرنے لگتے ہیں، آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے موبائل کا میسج (Messages) پڑھنے لگتے ہیں، اس کی Call Details چیک کرنے لگتے ہیں، آپ کے Contacts کی تفتیش میں لگ جاتے ہیں، جب کہ یہ بات آپ کو ناگوار گذرتی ہے۔ یہاں آپ کیا کریں؟

ایک دفعہ میں ختم بخاری کے جشن میں ایک دوست کے گھر گیا، وہاں سب فضلاء و فارغین ہی تھے، کسی ایک نے میرے ایک دوست کا موبائل اٹھا کر اسے چھیڑنا چاہا، لیکن موبائل ہاتھ میں لیتے ہی ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور انھوں نے جلدی سے موبائل ان کے بغل میں رکھ دیا، ادھر میرا دوست اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا، جب پارٹی ختم ہو گئی اور میں نے ان کا موبائل دیکھا تو مجھے بھی ہنسی آئی، بلکہ میں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا۔

پتہ ہے کیوں؟ لوگوں کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے فون کی اسکرین پر کوئی تصویر، اپنا نام، (الحمد للہ، سبحان اللہ وغیرہ سیٹ کئے رہتے ہیں، مگر انھوں نے اس پر ایک تحریر سیٹ کی ہوئی تھی ”بے وقوف! موبائل واپس رکھ۔“

سوال یہ ہے کہ ہم ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں؟

سب سے اہم بات یہ ملحوظ رہے کہ انھیں بھی اپنی محبت سے خالی نہ رہنے دیجئے، ان کے ساتھ کچھ ایسا برتاؤ کیا جائے جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان نفرت

پوچھا: کس کا فون تھا؟ کسی نے کہا: آپ کا رنگ اس سے بات کرتے ہی بدل کیوں گیا؟ کیا بات ہو گئی؟ اللہ کا بے پناہ کرم کہ سب لوگ پھر دوسری باتوں میں مصروف ہو گئے اور وہ بے چارہ قربانی کا بکرا بننے سے محفوظ رہ گیا۔

آپ نے ایک مریض کی عیادت کی، اس کے مرض کے بارے میں پوچھا، اس نے ایک عام سا جواب دے دیا، اب آپ اس کے پیچھے نہ پڑیں کہ یہ مرض کیسا ہے، اس کا اثر کہاں کہاں ہے؟ وغیرہ۔

میرا منشاء یہ ہرگز نہیں کہ اس سے اس کا مرض ہی معلوم نہ کریں بلکہ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ باریک باریک اور تفصیلی سوالات کر کے اُسے الجھن میں مبتلا نہ کریں۔

آپ نے ایک طالب علم کو مجلس میں پوچھ دیا کہ: امتحان میں کتنا نمبر آیا؟ اس نے بتا دیا، اب آپ اس سے اس کا ارادہ و عزم کی تفصیل وہیں پر معلوم کرنے لگے، اسے آگے کے بارے میں مشوروں سے نواز نہ لگے۔ اگر آپ اس کی مدد و معاونت ہی کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کنارہ میں بلا کر اس سے بات کریں، عام مجلس میں لوگوں کے سامنے اس طرح..... نہیں۔

آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے یہ بات ہے وہ غیر ضروری امور کے پیچھے نہ پڑے۔ اسی لئے کوشش کریں کہ غیر ضروری امور کے پیچھے نہ پڑیں، بلاشبہ غیر ضروری امور میں دخل اندازی کی عادت کو کنٹرول کرنے کی عادت ابتدائی زمانہ میں دشوار گن ہوتی ہے، لیکن یہی چیز آگے چل کر مفید ثابت ہوتی ہے۔

کی دیوار کھڑی ہونے سے پہلے ہی محبت پیدا ہو جائے، ان کے ساتھ رہنے اور انھیں ناراضگی سے بچانے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کے سوال کا جواب سوال کی شکل میں دیا جائے۔ یا اگر آپ کو ان کے سوال سے کوفت ہو رہی ہو تو ان کے سوال کا جواب دینے کے بجائے آپ دوسرا موضوع شروع کر دیجئے کہ وہ اپنا سوال ہی فراموش کر جائے۔

مثلاً آپ سے کسی نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ اسے اپنے سفر کے بارے میں بتانا نہیں چاہتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ: آپ بھی میرے ساتھ جائیں گے کیا؟ وہ کہے گا: پہلے یہ تو بتاؤ کہاں جا رہے ہو؟ آپ کہیں: اگر آپ بھی چلیں گے تو ٹکٹ کی ذمہ داری آپ کی ہوگی، ارے ہاں! آپ کو سمندری سفر اچھا لگتا ہے یا خشکی کا سفر؟ اتنا سنتے ہی وہ ٹکٹ اور بحر و بر کے موضوع میں کھو جائے گا اور اپنا اصلی سوال فراموش کر جائے گا۔

ہاہہ! دیکھا کس طرح آپ اس کے سوال سے آسانی کے ساتھ بچ گئے؟ لیکن ابھی اس سے لفظوں میں نجات پائی ہے، اسے حقیقت کا جامہ پہنانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ اگر آپ کسی ایسے شخص کے چکر میں پڑ جائیں تو اس سے کسی طرح بچ کر نکلنے کی راہ اختیار کریں، اس سے منہ لگانا قطعاً مناسب نہیں۔

ایک شخص آپ کی گاڑی میں جیسے ہی بیٹھا، اس کے منہ سے نکلا: اوہ! گاڑی بہت پرانی ہو گئی ہے، گھر پہنچتے ہی کہنے لگا: یہ سب سامان وہی کے وہی ہیں، اب تک تم نے کچھ بھی نہیں بدلا؟ آپ کے بچوں کو دیکھا تو کہا: ماشاء اللہ! لیکن ان کے کپڑے؟؟؟ اچھے کپڑے پہنایا کرو یا ر۔

اب کھانا سامنے آیا تو اس پر بھی اس سے رہانہ گیا، چاول نہیں بنایا ہے؟ اوہ! نمک کم ہے، پتہ ہے میں اس طرح کے کھانے پسند نہیں کرتا ہوں۔ آپ اسے جوس کی دکان پر

لے گئے، جیسے ہی وہ جوس کی دکان پر داخل ہوا تو دکان گرچہ طرح طرح کے میوہ جات سے بھری پڑی تھی اس نے ادھر ادھر نظر کیا اور پوچھا: آخروٹ ہے؟ نہیں۔ اس نے کہا؟ خربوزہ؟ دکان دار نے کہا: اس کا تو موسم نہیں ہے۔ اچانک اس کا رنگ بدل گیا، اس نے کہا: یار! تمہاری دکان پر تو کچھ نہیں ہے اور نکل گیا، وہ یہ بھول گیا کہ دکان پر چالیس قسم کے میوے رکھے ہیں۔

ہاں! بعض لوگ تنقیدوں سے آپ کو پریشان کر دیں گے، انھیں آپ کی کوئی چیز پسند نہیں آئے گی، اسے لذیذ کھانے میں صرف وہ بال نظر آئے گا جو غلطی سے اس میں گر گیا ہوگا، اسے صاف ستھرے میں کپڑے میں صرف سیاہی کا وہ دھبہ نظر آئے گا جو بھول سے اس پر بہہ گیا ہوگا، اسے مفید کتاب میں صرف چھپائی و طباعت کی وہ غلطی دکھے گی جو کا تب یا کمپیوٹر کے نسیان کا نتیجہ ہوگی، اس کی تنقید سے کوئی بالاتر نہیں ہو سکتا، ہر بڑا چھوٹا اس کے نشانہ پر ہے۔

دراصل آدمی ایسے لوگوں سے اکتا جاتا ہے اور جو شخص ان صفات والا ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو درحقیقت عذاب میں رکھتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ”محمد ﷺ کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالتے، اگر پسند ہوتا تو تناول فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے“ (بخاری 5501)

آپ میری باتوں سے یہ اندازہ نہ لگائیں کہ میرا منشاء یہ ہے کہ کسی غلط بات یا بُرے کام پر ٹوکا ہی نہ جائے، نصیحت چھوڑ دی جائے، ایسا نہیں! بلکہ میری رائے یہ ہے کہ خوب اندر داخل ہو کر کھوج کرید نہ کی جائے، خصوصاً دنیوی معاملات میں۔

آپ کے گھر ایک مہمان آیا، آپ نے اس کا استقبال کیا، اسے بٹھایا، اس کے سامنے ماحضر پیش کی، اس نے چائے کی کپ کے اندر دیکھ کر کہا: اوہ! آدھی کپ چائے؟ آپ نے کہا: اور دوں؟ اس نے کہا: نہیں نہیں! بس کافی ہے، پھر اس نے پانی

مکھی اور شہد کی مکھی

شہد کی مکھی صرف صاف شفاف جگہوں میں بیٹھتی ہے، خبیث اور گندی چیز کے قریب بھی نہیں پھنکتی، مگر عام مکھی لوگوں کے رستے ہوئے زخم کو اپنی غذا بناتی ہے۔ آپ مکھی نہ بنیں بلکہ اپنی ذات کو شہد کی مکھی بنائیں۔ اپنی بات کو ہمیشہ خوبصورت انداز میں کہیں، اس سے آپ کی بات مؤثر ہوگی، آپ کے کلام میں طاقت ہوگی اور سامنے والا اس کی اہمیت کو سمجھے گا۔ آپ کو شاید اس بات کا تجربہ ہوگا کہ جو استاد بچوں کو زیادہ مارتا ہے، بچے صرف اس سے ڈرتے ہیں، اس کا رعب و دبدبہ نہیں رہتا، لیکن جو استاد مارتا نہیں، بلکہ حسین انداز میں اپنی بات پیش کرنے کا عادی ہوتا ہے تو لڑکوں کے دل میں ایک توان کی عزت رہتی ہے اور دوسرے یہ کہ ان کا رعب بھی بنا رہتا ہے۔

تین شخص نے اپنے اپنے لڑکے کو امتحان کے زمانے میں گیم کھیلے ہوئے دیکھا، تینوں نے اپنے اپنے لڑکوں کو اپنے انداز میں تنبیہ کی۔ پہلے نے اپنے لڑکے سے کہا: امتحان کی تیاری کرو، ورنہ فیل ہو جاؤ گے تو اپنا سمجھنا۔

دوسرے نے کہا: امتحان کی تیاری کرو، ورنہ اگر تم امتحان میں ناکام ہو گئے تو میں تمہیں اچھی طرح پیٹوں گا، اور ہاں! کان کھول کر سن لو، تمہارے پیسے بھی بند کر دئے جائیں گے۔

تیسرے نے کہا: بیٹا فیضان! اگر امتحان کی تیاری کرو تو یہ گیم کھیلنے سے زیادہ اچھا ہوگا۔ ٹھیک ہے نا؟

آپ بتائیں کہ ان تینوں میں سے کس کا اسلوب و طریقہ سب سے زیادہ عمدہ ہے؟

پینے کے بعد کہا: آپ کے گھر کا پانی بہت گرم ہے، آپ کے سچکے پر توجہ کی اور کہنے لگا: آپ کا پنکھا ٹھنڈا نہیں کرتا، یہاں تو بڑی گرمی ہے۔

آپ ہی بتائیں کہ کیا وہ شخص آپ کو بوجھ محسوس نہیں ہوگا؟ کیا آپ یہ تمنا نہیں کریں گے کہ وہ جلدی سے چلا جائے اور پھر کبھی واپس نہ آئے؟

ظاہر ہے لوگ تنقید و شکایت کو اچھا نہیں سمجھتے، البتہ اگر آپ کسی کو اس کی غلطی و خطا پر تنبیہ ہی کرنا چاہتے ہیں تو اس پر خوبصورت غلاف چڑھا کر عام الفاظ میں تنبیہ کر دیں، حضور ﷺ اگر کسی کو اس کی غلطی پر ٹوکتے تو سیدھا اسے مخاطب نہیں بناتے بلکہ آپ کا انداز یہ ہوتا کہ: ”لوگوں کو کیا ہو گیا کہ ایسا ویسا کر رہے ہیں“

ایک دن جناب محمد ﷺ نے محسوس کیا کہ بعض لوگ نماز میں آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، جب کہ یہ غلطی تھی، کیونکہ نماز میں سجدہ کی جگہ کو دیکھنا چاہئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: مابال اقوام یرفعون ابصارہم الی السماء فی صلاتہم۔ لوگوں کو کا ہو گیا ہے کہ نماز میں آسمان کی طرف دیکھتے ہیں؟

مثلاً آپ اپنی بیوی کو صفائی ستھرائی کی طرف دھیان دلانا چاہتے ہیں تو اسے کہہ سکتے ہیں کہ: فاطمہ! میں کل فلاں صاحب کے گھر گیا تو ان کا گھر بہت صاف شفاف تھا اور ان لوگوں کو صفائی کا بڑا خیال رہتا ہے۔

آپ اپنے لڑکے کو مسجد میں نماز پڑھنے کی ترغیب اس طرح بھی دے سکتے ہیں ”فیصل! ہمارے فلاں پڑوسی کا لڑکا کتنا اچھا ہے، کسی نماز میں مسجد سے غائب نہیں رہتا، ہر نماز میں مسجد آتا ہے“ لوگ تنقید کو اس لئے اچھا نہیں سمجھتے ہیں کہ تنقید نقص کا نام ہے اور لوگوں کو نقص نہیں کمال محبوب ہے۔

یقیناً تیسرے کا۔ کیونکہ اس نے اپنی بات کو بہتر انداز و شکل میں پیش کی۔

آپ کو چائے یا کافی کی خواہش ہو رہی ہے، آپ بیوی سے کہہ سکتے ہیں: اے! چائے لاؤ، اور ہاں ذرا جلدی کرنا، سبھی؟ ہر کام کی طرح ابھی بھی سستی مت کرنا؟ مگر یہی بات اس انداز میں کہا جائے کہ: عظمیٰ! چائے پینے کا دل چاہ رہا ہے۔ تو غور کریں کہ یہ کتنا پیارا انداز ہوگا، آپ اُسے ایسا کہیں تو وہ آپ کی بات ضرور مانے گی کہ: عاشرہ! آج ذرا سویرے ہی کھانے سے فارغ ہو جائیں تو..... وغیرہ وغیرہ

اگر کوئی غلطی کرے.....

ہر انسان خطاء سے مرکب ہے، غلطی سب سے ہوتی ہے، آپ بھی اس سے مامون نہیں، آپ کا مخاطب اگر کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کو تنبیہ کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں، لیکن ایک بہت ہی دلنشین طریقہ یہ بھی ہے کہ اسے ایسے انداز سے تنبیہ کی جائے جس سے اس کی فکر آپ کی فکر بن جائے، اور اس کا جواب آپ کے مدعا کی شکل میں وجود پذیر ہو۔ مثلاً:

آپ کا بچہ نماز میں کاہلی و سستی کرتا ہے، آپ اسے کہہ سکتے ہیں کہ: انس! کیا تم جنت میں داخل نہیں ہونا چاہتے؟ وہ کہے گا: جی ہاں! کیوں نہیں؟ آپ کہیں: تو پھر نماز پر مداومت اختیار کرو۔

ایک روز محمد ﷺ اپنے اصحاب کو خیر کے امور بتا رہے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ: تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی سے مجامعت کرتا ہے تو اس میں بھی اُسے اجر ملتا ہے، صحابہ کرام کو بڑا تعجب ہوا کہ ہم تو اپنی خواہش اور شہوت پوری کرتے ہیں اس پر اجر ملنے کا کیا سوال؟ اب نبی ﷺ ان کو کہہ سکتے تھے کہ: میں نبی ہوں، جو کہتا ہوں مانو، اپنا

دماغ مت لگاؤ، لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ انھیں اس طرح جواب دے کر مطمئن فرمایا کہ: بتاؤ اگر کوئی شخص حرام طریقہ سے اپنی حاجت پوری کرے تو اسے گناہ ملے گا؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں بیشک۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لہذا اگر وہ حلال طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اسے اجر و ثواب ملے گا۔ (مسلم 2376)

یا پہلے اس سے وہ باتیں کہیں جس میں آپ اور وہ دونوں متفق ہیں، اس کے بعد جب متفقہ قضیہ سامنے آجائے تو پھر آپ اپنی بات پیش کریں، کسی کی خطاء پر اس کو متوجہ کرنے کی یہ صورت بہت اثر انداز ہوتی ہے۔ مثلاً:

آپ کا لڑکا حفظِ قرآن پر توجہ نہیں دیتا تو آپ اس سے کہیں: سعد! کیا تم اللہ سے محبت نہیں کرتے؟ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ پاک تمہیں جنت میں بلند درجات عطا فرمائے؟ وہ یہی کہے گا: ہاں ہاں بیشک۔ اب آپ اس کے سامنے اپنی نصیحت پیش کریں کہ: تو تم حفظِ قرآن میں دلچسپی لو۔

ایک لڑکی حجاب نہیں کرنا چاہتی، وہ اسے فرسودہ خیال کرتی ہے تو اسے حجاب کی ترغیب اس طرح بھی دی جاسکتی ہے کہ پہلے وہ باتیں کہی جائیں جس میں وہ آپ کے ساتھ متفق ہے، پھر اپنی اصل بات کہی جائے، مثلاً: عالیہ! مجھے معلوم ہے کہ تم ایک مسلمان لڑکی ہو، ہمیشہ نیک کاموں میں دل چسپی لیتی ہو، وہ کہے گی: جی جی! (الحمد للہ! آپ کہیں کہ: کیا تم ہمیشہ پاکدامن نہیں رہنا چاہتی؟ وہ کہے گی: کیوں نہیں؟ تب آپ کہیں کہ: کاش تم حجاب میں رہو کہ یہ تمہاری پاکدامنی کا مضبوط ذریعہ ہے، پردہ کی عادت تمہارے اسلام کی نشانی ہے۔

اس طرح سے آپ آسانی کے ساتھ لوگوں سے اپنی خواہشات و ارادے کو حاصل کر سکتے ہیں اور انھیں اس کا ذرہ برابر احساس بھی نہیں ہوگا، اس طریقہ کو استعمال میں لا کر آپ شہد کو اس کے چھتے سے الگ کئے بغیر ہی اس کا مزہ لے سکتے ہیں۔ بس ہمیشہ یہ امر ملحوظ رہے کہ لاٹھی آدھے دور سے پکڑنا ہی مفید ہوتا ہے۔

اپنی بات منوانے کا سب سے بہتر طریقہ

میرے خیال میں غلطی کرنے والے کی اصلاح کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کے روشن، تابناک اور اچھے پہلوؤں کو ذکر کریں، اس کے بعد اس کی غلطی پر اسے متنبہ کریں، تاکہ دونوں طرف کا پلڑا برابر ہو، تنقید ہو یا اصلاح، بہر صورت خطا سے پہلے صواب پہلو کا ذکر کرنا چاہئے، ہمیشہ یہ کوشش کریں کہ سامنے والا یہ سمجھے کہ آپ کی نظر اس پر اچانک پڑ گئی ہے، آپ اس کی غلطی پر اسے متنبہ کر رہے ہیں تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ آپ کی نظروں میں گر گیا، یا اسے یہ تاثر نہ ہو کہ آپ نے اس کی اچھائیوں کو نظر انداز کر دیا ہے، بلکہ اسے یہ احساس ہو کہ آپ کی نگاہ اس کی خوبیوں کے سمندر میں ہمہ وقت غوطہ زن ہے۔

عظمیٰ! آپ بہت خوبصورت ہیں، صاف ستھری رہتی ہیں، ماشاء اللہ گھر کے کام میں ہمیشہ جُٹی رہتی ہیں اور یہ بچے آپ کو تھکا بھی دیتے ہیں لیکن اگر آپ بچوں کے کپڑے بدلنے کا تھوڑا اہتمام کر لیں تو.....

ایک شخص شراب کا کاروبار کر رہا ہے، آپ اسے اس قبیح و حرام عمل سے منع کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کی تعریف کریں، اُس کے حقیقی مقام و مرتبہ کو اس کے سامنے پُر وقار انداز میں ذکر کرنے کے بعد اس کو تجارت میں برکت کی دعاء دیں، پھر اس کو حلال روزی کی اہمیت بتائیں کہ اسے یہ احساس ہو کہ آپ صرف اس کے کالے کر تو توں پر ہی نظر نہیں رکھتے، بلکہ اس کے اچھے کاموں کا بھی نظارہ کرتے ہیں۔

ایک دفعہ محمد ﷺ راستہ چلتے چلتے رُک گئے، آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا پھر فرمانے لگے: ایک وقت آئے گا جب لوگوں سے قرآن کا علم اٹھ جائے گا، شرعی علوم ناپید ہو جائیں گے اور اس کا سیکھنے سکھانے والا کوئی باقی نہیں رہ جائے گا۔

پس ایک جلیل القدر صحابی حضرت زیاد بن لبید انصاری کھڑے ہوئے اور جوش میں آ کر کہنے لگے: یا رسول اللہ! ایسا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ہم قرآن کو پڑھتے ہیں؟ ہماری عورتیں اور بچے اس کی تعلیم حاصل کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ان کو دیکھا کہ یہ نوجوان دین کے معاملہ میں کچھ زیادہ ہی غیرت مند ہیں اور جوش سے پھٹے جا رہے ہیں، چنانچہ آپ نے اُن کو متنبہ کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا: لبید! میں تو تمہیں فقہاء مدینہ میں شمار کرتا ہوں۔ یہ زیاد کی تعریف کی کہ انھیں سب کے سامنے مدینہ کا فقیہ کہا، ان کے روشن پہلو کو بتایا پھر کہا: توریت و انجیل یہود و نصاریٰ کے پاس ہیں لیکن انھیں اس سے کیا فائدہ ہو رہا ہے؟ یعنی اے زیاد! صرف قرآن کا وجود ہی کافی نہیں بلکہ اس کے پڑھنے، اس کے معانی میں غور کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اعتبار ہے۔ (ترمذی 2653)

ذہن بنئے۔ سامنے والے کو اس کی اتنی اچھائیاں بتائیں کہ اس کی برائیاں نیکیوں کے پردے میں روپوش ہو جائیں، تاکہ وہ آپ کے عادلانہ مزاج سے متاثر ہو سکے۔ جب لوگ دیکھیں گے کہ آپ اُن کے خرابیوں اور خامیوں پر توجہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی خوبیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تو وہ آپ کی بات جلدی قبول کریں گے اور آپ اس طرح سے کسی کی خطا و غلطی پر آسانی کے ساتھ تنبیہ کر سکتے ہیں، چاہے وہ غلطی کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، مگر اس کا علاج بہر صورت ممکن ہے۔ ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغفر۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ آپ اصلاح ہی کی غلط صورت اختیار کر لیں۔

آپ کے بچے نے ایک غلطی کی، آپ نے اسے ملامت کی، اس کی حقارت کو جائز بنادیا اور اس کی چھوٹی سی خطا کو اتنی بڑی بتایا کہ وہ یہ سمجھنے لگا کہ اس کی تلافی محال ہے، چنانچہ وہ اصلاح سے مایوس ہو کر اُسی میں پڑا رہ جائے گا۔

لیکن اگر آپ اسے یہ بتائیں کہ آپ نے گرچہ غلطی کی ہے، لیکن اس سے نکلنے کا اور اس کی تلافی کا راستہ مسدود نہیں ہوا ہے، بلکہ رجوع الی الحق کا ہموار راستہ ابھی تک

کھلا ہوا ہے تو یقیناً وہ کچھ نہ کچھ ضرور سُدھ جائے گا۔

ایک شخص ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ: میں آپ کے ہاتھ پر ہجرت کی بیعت کے ارادے سے آیا ہوں، اور اپنے والدین کو روتا چھوڑ آیا ہوں۔

غور کریں کہ اس شخص نے اپنے ماں باپ کو روتے بلکتے چھوڑ کر آنے میں گرچہ بڑی غلطی کی، لیکن چونکہ اس کی نیت درست تھی اس لئے آپ ﷺ نے اسے ملامت کا مستحق نہیں بنایا، نہ ہی اسے ڈانٹا، نہ ہی اس کے عمل کی حقارت کی، نہ ہی اس کے عقل کی مذمت کی، آپ نے اُسے بس اتنا فرمایا: اپنے والدین کے پاس جاؤ اور ان کو ہنسائو جیسے رُلا کر آئے ہو۔ (ابوداؤد 2530)

دشمن نہ بنائیں

بیشک ناصح اور مخلص طبیب وہ ہے جو مریض کی صحت کا خیال رکھے، آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ جس طرح لوگوں کی طبیعتیں اور ان کے مزاج مختلف ہیں، اسی طرح ان کے نظریات و افکار بھی جدا گانہ ہیں، چنانچہ اگر آپ نے کسی کو دیکھا کہ وہ غلطی کر کے بھی غلطی پر جما ہوا ہے، درستگی اور حق کی مخالفت کر رہا ہے، آپ نے اسے نصیحت بھی کی، نصوص و عقل کی روشنی میں سمجھایا، لیکن وہ سننے اور ماننے پر آمادہ نہیں ہے تو اس کا نام فوراً اپنے دشمنوں کی لسٹ میں درج نہ کریں، بلکہ جہاں تک ہو سکے معاملہ کو نرمی اور آسانی سے سلجھانے کی کوشش کریں۔

آپ نے ایک دوست کو اس کی غلطی پر متنبہ کیا لیکن اس نے آپ کی بات کو ٹھکرا دیا تو اس کی دوستی کو دشمنی میں تبدیل نہ کریں، بلکہ لطف و مہربانی کے برتاؤ کو مزید بڑھادیں، کیونکہ ممکن ہے وہ آپ کے اس عاطفانہ برتاؤ کی وجہ سے صرف اُسی غلطی پر

برقرار رہے اور اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔

جب آپ اس طرح لوگوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کا معاملہ کر کے زندگی گذاریں گے تو بلاشک و شبہ آپ کی زندگی نیک بختی اور سعادت سے پُر ہوگی۔
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: جناب نبی ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے واسطے کسی سے انتقام نہیں لیا، ہاں! اگر اللہ کے حدود میں اور اس کے محارم میں ہتک کی جاتی تو اس وقت آپ غضبناک ہو جاتے، لیکن وہ غصہ اللہ کے لئے ہوتا۔ (بخاری 3560) اور ہم آپ کے دونوں غصے میں فرق کر لیتے۔

فرض کریں آپ کے بچے نے اسکول جاتے وقت آپ سے پانچ روپے مانگے، آپ کے پاس ٹوٹے پیسے نہیں تھے، آپ نے اسے پانچ سو کا نوٹ دیا اور اسے بار بار تاکید کی کہ: صرف پانچ روپے ہی خرچ کرنا، باقی پیسے مجھے واپس لا کر دینا۔ لیکن جب وہ دوپہر میں گھر واپس آیا تو سارے پیسے..... خرچ کر چکا تھا۔

آپ بتائیں کہ آپ اس کے ساتھ کیا کریں گے؟ اس پر کتنا غصہ کریں گے؟ اسے ماریں گے، اس پر سختی کریں گے، اسے بُرا بھلا کہیں گے اور کچھ دنوں تک اسے پاگٹ خرچ سے محروم کر دیں گے۔

لیکن ایک دن آپ عصر کی نماز پڑھ کر آئے تو دیکھا کہ آپ کا بچہ کمپیوٹر پر گیم کھیل رہا تھا، یا گھر و میدان میں ہی کسی لہو و لعب میں مشغول تھا، اس نے نماز فوت کر دی تھی۔

کیا آپ اس وقت بھی اس پر ایسا ہی غصہ کریں گے جیسا پہلی بار کیا تھا؟ میرا خیال ہے کہ ہمارا غصہ پہلے واقعہ کے اندر زیادہ دیر پا، سخت اور شدید ہوگا، لیکن جناب نبی کریم ﷺ کا غصہ اللہ کے معاملہ میں زیادہ سخت ہو جاتا۔

کسی کو تنبیہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی غلطی سے آگاہ ہو جائے، اُسے اپنی خطا کا احساس ہو جائے، مگر تنبیہ اور اصلاح کے لئے یہ شرط کہاں ہے کہ وہ آپ کے سامنے اپنی

غلطی کو صحیح بھی کر لے؟ اسی لئے آپ غصہ نہ کریں بلکہ ہمیشہ نرمی اور حسن سلوک کا خیال رہے۔ محمد بن عبداللہ ﷺ کسی کو نصیحت فرماتے اور وہ قبول نہ کی جاتی تو معاملہ کو خندہ پیشانی سے لیتے، کیونکہ ہدایت و ضلالت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ جس کو نصیحت یا تنبیہ کر رہے ہیں، اُسے یہ شعور ہی نہیں ہوتا ہے کہ اس نے کوئی خطا کی ہے، اس وقت آپ کی دلیل اتنی مضبوط، آپ کا مزاج اتنا نرم و لطیف ہو کہ وہ چارو ناچار اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائے اور اپنی غلطی کو غلطی سمجھ کر اس کی اصلاح اور اس کا ازالہ کر لے۔

ایک دیہاتی صالحین کی مجلس میں آیا اور وہاں ان کی باتیں سننے لگا، اُن لوگوں نے بڑے والدین کے بارے میں بات کی کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی اور ان پر احسان کرنا چاہئے، پھر کسی نے اس سے پوچھا کہ تمہارا اپنی ماں کے ساتھ کیا سلوک ہے؟ اُس نے کہا: میں اس کے ساتھ نیکی اور اس پر بڑا احسان کرتا ہوں، سائل نے پوچھا: کیا احسان؟ اعرابی نے جواب دیا: بخدا! میں نے اُسے کبھی ڈنڈے یا کوڑے سے نہیں مارا، یعنی اگر اسے مارنے کی ضرورت بھی پڑتی ہے تو ہاتھ سے مار لیتا ہوں، ڈنڈے وغیرہ سے شدت محبت اور احسان کر کے کبھی نہیں مارا۔

دیکھئے اس مسکین کے پاس غلطی اور درستگی کا ترازو ہی صحیح نہیں تھا، چنانچہ آپ اسے رفیق و نرمی کے ساتھ سمجھائیں کہ اُسے اپنی غلطی سمجھ میں آ جائے۔

ایک دن حضور ﷺ اپنے مجلس مبارک میں اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کی تلاش میں ہو، اس کی نگاہ جیسے ہی آپ ﷺ پر پڑی، وہ آپ کی طرف آنے لگا، توقع یہ تھی کہ وہ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر آپ کی نصیحت آمیز باتوں کو سنے گا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، اس نوجوان نے آپ ﷺ کو دیکھا اور پوری جرأت سے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے..... مجھے اجازت دیجئے زنا کی۔ حیرت و تعجب ہے! لیکن اس نے یہی بات کہی تھی۔

حضور ﷺ نے اسے دیکھا..... آپ اسے قرآنی آیات کے ذریعہ سمجھا سکتے تھے، مختصر سی نصیحت میں اسے اس کے ایمان کا احساس دلا سکتے تھے، لیکن آپ نے کچھ اور ہی طریقہ اختیار کیا، آپ نے انتہائی نرمی سے اُس سے پوچھا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تمہاری ماں کے ساتھ کوئی زنا کرے؟ وہ بھڑک اٹھا اور کہا: ہرگز نہیں، آپ ﷺ نے کہا: اسی طرح کسی کو بھی یہ گوارا نہیں کہ کوئی اس کی ماں کے ساتھ زنا کرے، پھر آپ نے اس سے پوچھا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ کوئی تمہاری بہن کے ساتھ زنا کرے؟ وہ مشتعل ہو کر بولا: نہیں، پھر آپ نے پوچھا: آپ کی پھوپھی کے ساتھ؟ آپ کی خالہ کے ساتھ؟ وہ نوجوان سب میں ”نہیں نہیں“ کرتا رہا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: تو جو تم ”اپنے لئے“ پسند کرتے ہو، وہی ”دوسروں کے لئے“ بھی پسند کرو اور جو تم خود کے لئے ناپسند کرتے ہو، وہی دوسروں کے لئے بھی ناپسند کرو۔

اب اس نوجوان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس نے نہایت خضوع سے کہا: یا رسول اللہ! میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے دل کو پاک کر دے، آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا کی، وہ نوجوان آپ کے قریب ہونے لگا اور اتنا قریب ہوا کہ آپ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، پھر آپ ﷺ نے اس کے سینے پر اپنا ہاتھ رکھا اور کہا: اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت دے، اس کے گناہ کو معاف کر دے اور اس کی شرمگاہ کو بُرائیوں سے بچا دے، پھر وہ نوجوان یہ کہتا ہوا وہاں سے نکلا: واللہ! جب میں محمد ﷺ کے پاس گیا تھا تو میرے نزدیک زنا سے زیادہ محبوب چیز کچھ نہیں تھی اور جب میں اُن کے پاس سے واپس جا رہا ہوں تو اس وقت میرے نزدیک زنا سے زیادہ ناپسندیدہ و مبغوض چیز کچھ نہیں ہے۔ (مسند احمد 2265)

آپ یہاں محمد بن عبد اللہ ﷺ کی مہربانی کا نظارہ کریں کہ آپ نے اُسے نہ ڈانٹا، نہ مارا، نہ ملامت کی، بلکہ اس کے لئے دعا کی، یہی نہیں بلکہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھا پھر دعا کی۔

آپ فیصلہ کریں کیا آپ نے اپنی مشکل کا علاج کر دیا؟ کیا آپ نے پریشانی کے دفعیہ کا صحیح طریقہ اختیار کیا؟ ہرگز نہیں!
تو اس وقت میں کیا کروں....؟؟

جی! آپ سب سے پہلے اپنے غصہ کو تھوک دیجئے، آپ غصہ میں بھی رہیں تو پہلے مسکرائیے اور اس سے کہئے: السلام علیکم۔ وہ چونکہ مشغول ہے اسی لئے وہ مصروفیت کی حالت میں ہی آپ کے سلام کا جواب دے گا، پھر آپ تھوڑا انتظار کر کے اس سے خیریت پوچھیں، اب وہ آپ کو سراٹھا کر دیکھے گا۔ آپ نے اپنا نصف مرحلہ طے کر لیا، اب اسے نرمی سے کوئی بات کہیں مثلاً: کیا آپ یہاں کوئی کام کرتے ہیں؟ وہ کہے گا: ہاں یا نہیں یا کیوں؟ تو آپ کہیں: نہیں! آپ کے چہرہ کے رونق بتا رہی ہے کہ آپ بیمار تو نہیں ہیں؟ اب وہ مسکرائے گا اور آپ نے اُسے اس مرحلہ پر لادیا ہے کہ وہ آپ کی بات مان لے، اب اُسے اپنی اصل بات کہیں: دوست! یہ بوڑھے اور یہ ضعیف اماں..... انھیں کوئی جگہ نہیں مل رہی ہے، مہربانی کر کے آپ ذرا..... پلیز زرز۔

اسی طرح سارے معاملات میں تعریف کا پہلو اختیار کریں تو آپ کو کامیابی ضرور ملے گی۔ مثلاً ایک شخص نماز میں سستی کرتا ہے، یا کوئی شخص ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے مناسب بات کہہ کر، ادب کا لحاظ کرتے ہوئے اور اسے محترم سمجھتے ہوئے نصیحت کریں۔

نبی کریم ﷺ نے سوچا کہ معاذ بن جبل کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کا ایک ذکر سکھادیں تو انھیں کہا: یا معاذ! واللہ انی احبک... فلا تدعن فی دبر کل صلوٰۃ ان تقول: اللہم اعننی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک۔ اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں، تم کسی نماز کے بعد یہ دعا کرنا ہرگز

اس طرح...

کلام کی مہارتوں میں سے یہ بات ہے کہ انسان اپنے نفس کو اس بات کا عادی بنائے کہ وہ دوسروں کی غلطی پر تنبیہ کرنے سے پہلے اس کی تعریف و توصیف کر دے، بہت سے لوگ دوسروں کی نصیحت کو اس لئے نہیں ٹھکرا دیتے کہ نصیحت اور تنبیہ کرنے والے کے اندر کبر و بڑائی ہوتی ہے، یا اس لئے کہ اس نے صحیح طور پر اس کو غلطی کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوتا ہے بلکہ اس لئے کہ تنبیہ کرنے والا درست طریقہ اختیار نہیں کرتا، فرض کریں:

آپ علاج کے لئے ایک ہسپتال گئے، وہاں کچھ پیچیں اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں جس پر لوگ تشریف فرما تھے، ایک کرسی پر ایک نو جوان اخبار کے اوراق الٹ پلٹ کر رہا تھا، اس کے دائیں طرف ایک نابینا بوڑھے ایک چھوٹے سے بچے کے ساتھ کھڑے تھے، انھیں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی اور اس کے بائیں طرف ایک بہت ضعیف عورت ایک بچی کے ساتھ کھڑی ہو کر بے چینی سے اپنے نمبر کا انتظار کر رہی تھیں، جب کہ وہ نو جوان بآرام کافی دیر سے اخبار کی ورق گردانی میں مصروف تھا۔

جب آپ نے یہ منظر دیکھا تو آپ کا خون کھول گیا اور آپ اس پر غصہ میں چیخ پڑے: ابے اوئے! تو ہسپتال میں بیٹھا ہے یا چائے کی دکان میں.....؟ تجھے نظر نہیں آ رہا ہے یہ ضعیف لوگ کتنی دیر سے کھڑے ہیں، تیرے اندر ذرا بھی غیرت کی نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ گویا آپ اس پر بجلی بن کر برس گئے مگر اس نے آپ کی چیخ و پکار کا جواب چلا کر نہیں دیا، بلکہ اس نے آپ کو دیکھا اور اخبار اٹھا کر ایک کونہ میں رکھا پھر آرام سے وہیں بیٹھا رہا۔

نہ چھوڑنا: اللہم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک۔
 آپ بتائیں کہ ”میں تم سے محبت کرتا ہوں“ اس جملہ اور بعد والے جملے ”تم کسی نماز کے بعد یہ دعا کرنا ہرگز نہ چھوڑنا“ کے درمیان کیا مناسبت ہے؟
 مناسب تو اس طرح تھا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اپنی لُحْتِ جگر سے تمہاری شادی کرادوں، یا تمہیں بہت سارا مال دے دوں، یا کھانے کی دعوت کر دوں۔ لیکن آپ نے اس جملہ کے بعد انھیں ایک دعاء سکھائی۔
 جانتے ہیں کیوں؟ دراصل حضور ﷺ نے انھیں ”میں تم سے محبت کرتا ہوں“ کہہ کر نصیحت قبول کرنے کے لئے اندرونی طور پر تیار کیا، حضرت معاذؓ خوش ہو گئے، پھر آپ نے انھیں نصیحت فرمائی۔

ایک موقع پر آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ پکڑا، پھر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا یعنی پہلے انھیں نصیحت قبول کرنے کے لئے تیار کیا پھر کہا: اے عبداللہ! جب تم تشہد میں بیٹھو تو کہو الخ۔

ایک دن آپ نے دیکھا کہ عمرؓ طواف کرتے ہوئے حجر اسود کے سامنے آئے، وہاں لوگوں کی بہت بھیڑ لگی ہوئی تھی، عمرؓ چونکہ مضبوط تھے، ضعیف لوگ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو آپ نے ان کے سلوک کو نرم بنانے کے لئے کہا: عمر! تم بہت مضبوط آدمی ہو۔ پہلے آپ ﷺ نے ان کی تعریف کی اور انھیں اپنی بات ماننے کے لئے آمادہ کیا، عمرؓ اس تعریف سے خوش ہو گئے پھر آپ نے کہا: حجر اسود کے پاس دھکم پیل مت کرنا۔

ایک بار محمد ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رات میں نماز پڑھنے کی طرف متوجہ کرنا چاہا تو فرمایا: عبداللہ کتنا اچھا انسان ہے اگر وہ راتوں میں جاگے۔

جی ہاں! محمد ﷺ ہر ایک کے ساتھ شاندار اور بہترین انداز اپناتے تھے، چنانچہ آپ بھی لوگوں کی تعریف کریں اور تنقید و تنقیص سے گریز کریں۔

نصیحت و تنبیہ میں نرمی اور رفق کو مد نظر رکھنی چاہئے، کیونکہ اگر اس کا انداز ذرا سخت اور غیر مناسب ہو تو اس کا اثر اچھا نہیں پڑتا، اس لئے کہ ہمارا معاملہ دلوں کے ساتھ ہوتا ہے، جسموں کے ساتھ نہیں۔ آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ بہت سے طلباء ایک مدرس کو پسند کرتے ہیں لیکن دوسرے مدرس سے دور بھاگتے ہیں۔

دراصل نصیحت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مختصر انداز میں جامع بات کہہ دی جائے، اس بات کا مکمل خیال رہے کہ دوسرے کو یہ احساس نہ ہو کہ آپ ان پر بھاری اور بوجھ بن رہے ہیں، مثلاً:

اگر کوئی لڑکا دیر سے مدرسہ آیا تو اس کو تنبیہ کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اسے کہا جائے: اگر آپ دوبارہ دیر نہ کریں تو بہتر ہوگا۔

دوسرا انداز یہ ہے کہ: بے ادب، بدتمیز! کتنی بار تمہیں سمجھاؤں کہ مدرسہ ٹائم پر آیا کرو، لیکن تمہاری خمیر ہی.....

جی نہیں! دوسرے کو یہ موقع دیں کہ وہ عذر پیش کر سکے، کیونکہ تنبیہ کا مقصد غلطی کا ازالہ کرنا اور خطا کرنے والے کا علاج کرنا ہے، نہ کہ اس سے انتقام لینا یا اس کی توہین کرنا۔

بلکہ اگر ممکن ہو تو کسی کی غلطی کو پکڑے بغیر ہی اس کی تنبیہ کر دیں۔ کیسے....؟
 عبداللہ بن مبارک کی مجلس میں ایک شخص کو چھینک آئی، عبداللہؓ نے سوچا کہ میں یرحمک اللہ کہوں، لیکن اس نے الحمد للہ کہا ہی نہیں، عبداللہؓ نے ایک انوکھا انداز اپنایا اور اس چھینکنے والے سے پوچھا کہ: جب کسی کو چھینک آئے تو اسے کیا کہنا چاہئے؟ اس نے کہا: الحمد للہ. عبداللہؓ نے کہا: یرحمک اللہ.

کسی بڑے کا واقعہ ہے کہ ان سے کسی شخص نے کوئی کتاب پڑھنے کے لئے مانگی، انھوں نے دے دی، جب اس نے کتاب واپس کی تو اس پر کھانے کا داغ لگا ہوا تھا غالباً

اس نے کتاب میں روٹی رکھی تھی، وہ اسے دیکھ کر خاموش رہے اور اسے کچھ نہیں کہا۔
جب اگلی بار اُس نے پھر کوئی کتاب مانگی تو انھوں نے اُسے ایک طبق میں کتاب رکھ کر دی، اس شخص نے کہا: میں تو کتاب لینے آیا ہوں، طبق کا کیا کروں گا؟ حضرت نے فرمایا: کتاب تو پڑھنے کے لئے اور طبق روٹی اٹھانے کے لئے۔

ایسے انداز سے نصیحت کریں کہ سامنے والے کو اسے قبول کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہو، خود کو بڑا سمجھتے ہوئے کسی کو نصیحت و تنبیہ نہ کی جائے، جیسے کہ: میں تو ایسا کرتا تھا، یا: جب میں تمہاری عمر کا تھا تو کبھی یہ کام نہیں کرتا تھا۔ وغیرہ
اگر کبھی پورا مجمع ہی غلطی میں مبتلا ہو تو اس وقت اصل تو یہ ہے آپ اُن سب کے سامنے اُن کی غلطی اور خطا کی نشان دہی کریں، لیکن کبھی کبھی اس بات کی ضرورت پڑ جاتی ہے کہ سب کو الگ الگ اور انفرادی طور پر نصیحت کی جائے۔ مثلاً:

آپ کے گھر میں کچھ لوگ آپ کے بھائی سے ملنے آئے ہیں، ان کا پروگرام یہ بن رہا ہے کہ فلاں جگہ سیر کے لئے جایا جائے، لیکن آپ جانتے ہیں کہ وہاں جانا خطرات سے خالی نہیں ہے، وہاں محرمات کے دواعی کی بھرمار ہے، وہ لوگ وہاں جائیں گے تو اُن سے کچھ نہ کچھ لٹی سیدھی حرکتیں ہو ہی جائیں گی، آپ نے سوچا کہ انھیں سمجھایا جائے۔

اب ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آپ اُن کے مجمع میں جائیں اور سب کے سامنے وہاں جانے کے مفسدات و مضرات اور خرابیوں کو بیان کریں، لیکن یہ طریقہ اس وقت ناکام ہوگا، کیونکہ سبھی نوجوان ہیں، کسی ایک کا ارادہ بدل بھی جائے گا تو دوسرے کی اتباع میں اُس کا نیک ارادہ ڈانوا ڈول ہو کر ختم ہو جائے گا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اُن میں سے ہر ایک کو انفرادی طور پر نصیحت کریں، چنانچہ اُن میں جو سب سے عقلمند ہو اُسے بلا کر کہیں کہ: اے فلاں! سنا ہے تم لوگ فلاں جگہ کی سیر کو جا رہے ہو، دیکھو تم اپنی جماعت میں سب سے عقلمند ہو، تم تو جانتے کہ وہاں جانا

خطرات سے خالی نہیں ہے، وہاں سفر کرنے سے نہ جانے انسان کن کن مصیبتوں میں پڑ جاتا ہے، وہاں تو دین و ایمان کا جنازہ نکل جاتا ہے، میرے خیال میں وہاں جانا بالکل ہی غیر مناسب ہے، کیا ہی بہتر ہو کہ تم لوگ فلاں جگہ کے بجائے فلاں جگہ چلے جاؤ، وہاں سمندر کی سیر بھی ہو جائے گی اور کھیل کود کا موقع بھی ملے گا، گناہ سے بھی بچے رہو گے۔

بلاشبہ جب وہ آپ کی یہ بات بہترین اسلوب و انداز میں سنے گا تو اس کا دل کم سے کم آدھا تو وہاں جانے سے گریز کرنے ہی لگے گا، پھر آپ دوسرے کے پاس تنہائی میں جائیں اور اُس سے بھی یہی بات کریں، اسی طرح ہر ایک کے کو الگ الگ نصیحت کریں کہ ایک کو دوسرے کا پتہ نہ چلے، جب وہ لوگ جمع ہوں گے تو یقیناً سب اپنے اپنے ارادے سے کچھ نہ کچھ غیر مطمئن ہوں گے اور بالآخر ان کا ارادہ ختم ہو جائے گا۔

پاکیزہ بات

لوگ کہتے ہیں کہ: کسی کو نصیحت کرنے والا جلاد ہوتا ہے۔ آپ اس جلادیت اور بربریت کا مظاہرہ نہ کریں، کوشش کریں کہ: نصیحت ہمیشہ مختصر ہو، جھگڑا لڑائی اور ہر بات کو پایہ ثبوت تک پہنچانا ضروری نہیں، بلکہ اکثر دفعہ غیر محمود ہے، اسی لئے بقدر استطاعت اختصار سے کام لیا جائے، لمبی چوڑی تقریر سے گریز کیا جائے، خاص طور پر وہ امر جو متفق علیہ ہیں، جیسے آپ کسی کو غصہ، شراب نوشی، قمار بازی، ترک صلوٰۃ، یا والدین کی نافرمانی پر تنبیہ کریں تو ان سب متفقہ امور میں زیادہ سے زیادہ اختصار سے کام لیں۔

اگر آپ نصح نبوی ﷺ میں غور کریں گے تو یہ نتیجہ ظاہر ہوگا کہ محمد بن عبد اللہ ﷺ کی نصیحت ایک یا دو سطر سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

اے علی! بار بار کسی عورت کو مت دیکھو، کیونکہ پہلی نظر معاف ہے لیکن دوسری نظر پر پکڑ اور مؤاخذہ ہوگا۔

اے ابن عمر! دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی مسافر یا راہرو رہتا ہے۔

معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں، ہر نماز کے بعد یہ دعاء ضرور پڑھ لیا کرو: اللہم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک۔

عمر! تم بہت طاقت ور ہو، حجر اسود کے پاس بھیڑ مت لگانا، یعنی ضعفاء کا خیال رکھنا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرزدق شاعر سے ملے تو انھیں کہا: بھتیجے! تمہارے قدم بہت چھوٹے ہیں، انھیں جنت میں جانے سے محروم مت کرنا۔ یعنی اس کے لئے عمل کرو، پاکدامن عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ۔

حضرت عمرؓ مرض الموت میں مبتلا تھے، لوگ ان کی عیادت کو آرہے تھے، ایک نوجوان آیا اور کہا: خوشخبری ہو امیر المؤمنین! آپ ﷺ کے ساتھ اتنے زمانے تک رہے، پھر خلیفہ بنائے گئے اور عدل سے کام لیا، اب شہادت کا جام نوش فرما رہے ہیں۔ عمرؓ نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ یہ سب کم سے کم برابر ہو جائیں، نہ مجھ پر کچھ ہونہ میرے لئے کچھ ہو۔

جب وہ نوجوان جانے لگا تو اس کا ازار زمین پر لٹک رہا تھا، عمرؓ نے انھیں تنبیہ کرنا چاہا، اسے بلوایا اور کہا: بھتیجے! اپنا ازار اوپر کرلو، کیونکہ یہ کپڑے کو صاف رکھے گا اور اللہ کو راضی بھی کرے گا۔

بس! پیغام پہنچ گیا، نصیحت ہوگئی اور اثر بھی ظاہر ہو گیا۔ جہاں تک ممکن ہو جھگڑے سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ محمد بن عبد اللہ ﷺ نے فرمایا: ماضل قوم بعد ہدی کانوا علیہ الا وتو اللجدل۔ جو قوم ہدایت کے بعد گمراہ ہوئی ہے وہ جھگڑے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ آپ کا فرمان ہے: میں جنت کے باغ میں اس شخص کو گھر دلاؤں گا جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا نہ کرے۔

نام یاد رکھنا

کسی کے نام سے اس کو بلانا اس کی شخصیت کو آپ کا گرویدہ بنا دیتی ہے، آپ کسی سے بینک میں، فلائٹ پر، ولیمہ میں یا جلسہ وغیرہ میں ملے، آپ کو اس کا نام معلوم ہو گیا، پھر آپ نے اس کو دوسری جگہ دیکھا تو اُس کا نام لے کر اسے مرحبا کہا، اس سے اُس کے دل میں آپ کی محبت و قدر و قیمت بڑھ جائے گی، کیونکہ کسی کے نام کو یاد رکھنا اس بات کی علامت ہے کہ آپ کے نزدیک اُس کی اہمیت ہے۔

ایک مدرس وہ ہے جسے طلباء (Students) کا نام معلوم نہیں ہے، وہ کسی کو پکارتا ہے تو ”اے فلاں“ یا ”تم“ کہہ کر پکارتا ہے۔

دوسرا ٹیچر ”حامد، راشد“ کہہ کر پکارتا ہے۔ بتائیں طلباء جب اُن کے منہ سے اپنا نام سنیں گے تو اُن پر کتنا اچھا تاثر ہوگا، ان کے لئے یہ بات کس قدر مسرت گُن ہوگی کہ حضرت نے مجھے میرا ”نام“ لے کر پکارا۔

آپ نے ایک آدمی کو فون کیا، اس نے آپ سے بات تو کر لی، لیکن اس کو آپ کا نام یاد نہیں تھا، دوسرے شخص کو آپ نے جیسے ہی فون کیا اس نے آپ کا نام لے کر فوراً ہی آپ کی خیریت دریافت کی۔

بتائیں آپ ان میں سے کس سے زیادہ محبت کریں گے؟ کون آپ کے دل کے زیادہ قریب ہوگا؟ یقیناً اس کے منہ سے اپنا نام سنتے ہی آپ اس کے گرویدہ ہو جائیں گے، لیکن امت کا سواد اعظم اس چھوٹے مگر اہم کام سے غافل ہے۔

کسی کا نام یاد نہ رکھنے کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں، جیسے اس کو اہمیت نہ دینا، یا تعارف کے وقت مشغول و مصروف ہونا، یا آپ اس سے یہ سوچ کر مل رہے

ہیں کہ اب آئندہ اس سے نہیں ملنا ہے، یا اس کا نام ایسا ہے کہ زبان پر نقل کا باعث ہے تو آپ نے اسے محفوظ نہیں کیا، اس کے اور بھی بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ اپنے اندر نام یاد رکھنے کی اہمیت کا احساس اُجاگر کریں، پھر کسی کا نام جانتے ہی اس کی ہیئت، اس کی مسکراہٹ، اس کے چلنے پھرنے اور بات کرنے کے انداز کو ذہن میں محفوظ کر لیں، تاکہ بعد میں اس کی ہیئت و انداز ہی دیکھ کر اس کا نام یاد آ جائے۔ یا اس سے بات کرنے کے دوران چند مرتبہ اس کا نام دوہرا لیں کہ ”جی جی فیضان بھائی“ ”سمجھ گئے آفتاب بھائی“ وغیرہ۔ آپ میرا نام یاد رکھ کر مجھے میرے نام سے پکاریں گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی اور میں آپ سے محبت کرنے لگوں گا۔

آپ کے ہدیہ کا بدلہ

جب آپ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ بھی آپ کے ساتھ آپ کی خواہش کے مطابق برتاؤ کرے، بلکہ وہ آپ کے ساتھ اپنی پسند کا معاملہ کرے گا، آپ لوگوں سے بشاشت اور مسکرا کر مل رہے ہیں تو ان میں سے ہر ایک آدمی آپ کو آپ کی خوش اخلاقی و خوش مزاجی کا جواب مسکرا کر ہی نہیں دے گا، بلکہ بعض لوگ آپ پر غصہ کریں گے، بعض حضرات آپ پر بدگمانی کرتے ہوئے پوچھ بیٹھیں گے کہ: ہنسی کیوں آرہی ہے بھائی؟ آپ لوگوں کو ہدیہ کرتے ہیں تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان میں سے سب لوگ آپ کے ہدیہ کا بدلہ اس سے بہتر چیز سے دیں، بلکہ کچھ لوگ وہ بھی ہوں گے جو ہدیہ لینے کے بعد محفلوں اور مجلسوں میں آپ کی غیبت و بُرائی کریں گے: فلاں تو بڑا بے وقوف اور فضول خرچ ہے۔

آپ نے کسی کے ساتھ لطف و مہربانی کا معاملہ کیا تو ضروری نہیں کہ وہ بھی آپ کو اس سے نواز دے، بلکہ وہ ٹُرش روئی سے آپ کا استقبال کر سکتا ہے، کیونکہ اللہ پاک نے جس طرح رزق کی تقسیم کی ہے اسی طرح اخلاق کی بھی تقسیم فرمادی ہے، اس موقع پر منہاج ربانی ہے: لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعِ بِالَّتِي هِيَ احْسَنُ فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَانَهُ وَلِيٍّ حَمِيمٍ۔ اسوۂ رسول موجود ہے: احسن الی من اساء الیک۔ جو تمہارا ساتھ بُرا کرے، تم اس کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا کوئی علاج اور ان کی اصلاح کا کوئی طریقہ کار گز نہیں ہوتا، ان کے ساتھ صرف دو کاموں کی گنجائش ہے: یا تو ان کے اُسی اخلاق پر صبر کے ساتھ رہ لینا، یا اسے داغِ مفارقت دے دینا۔

کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں اشعب نامی ایک انتہائی سست و کاہل آدمی تھا، اس نے کسی تاجر کے ساتھ سفر کیا، سفر کے دوران تاجر اُس کا اور اپنا پورا کام کرتا، اترنے چڑھنے، کھانے پینے کا پورا کام خود کرتا۔

واپسی کے دوران..... جب یہ تاجر تھک کر چور ہو گیا اور ایک جگہ پڑاؤ کیا تو دونوں سواری سے اترے، اشعب اترتے ہی زمین پر ڈھیر ہو کر لیٹ گیا، اس کے ساتھی نے سامان اتارا، بستر لگایا پھر اشعب سے کہا: تم ذرا لکڑیاں جمع کرلو، میں گوشت بنا لیتا ہوں، اشعب نے کہا: بھائی! قسم سے، میں تو بہت تھک گیا ہوں، چنانچہ وہ شخص اٹھا اور لکڑیاں جمع کر کے لے آیا، پھر اشعب سے کہا: اشعب! تم ذرا آگ جلا لو جب تک میں گوشت کاٹ لیتا ہوں۔ اشعب نے کہا: میں دھوؤں کے قریب جاتا ہوں تو میرے سینے میں درد ہو جاتا ہے، اس شخص نے آگ جلائی پھر کہا: اے اشعب! تم ذرا گوشت کے ٹکڑے کرلو، اشعب نے کہا: مجھے اندیشہ کہ کہیں چاقو میرے ہاتھ سے نہ گر جائے، پھر میرا ہاتھ نہ کٹ جائے، پس اس شخص نے گوشت کاٹا، پھر کہا: اے اشعب! ذرا گوشت کو

ہانڈی میں ڈال دو اور کھانا بنا لو، اس نے کہا: کھانا بننے سے پہلے زیادہ دیر تک کھانے کو دیکھنا میرے پیٹ کے لئے مضر ہوتا ہے، پس وہ شخص گیا اور کھانا تیار کر لیا، لیکن وہ تھک کر چور ہو چکا تھا اسی لئے آکر زمین پر لیٹ گیا اور اشعب سے کہا: دسترخوان لگا کر کھانا سامنے لا کر رکھ لو، مگر اشعب نے کہا: میرا بدن بہت بھاری ہو رہا ہے، وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا پھر کھانا لگایا اور اشعب کہا: اشعب! آؤ میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ، تو اشعب نے کہا: بھائی! میں عذر کرتے کرتے شرمندہ ہو گیا ہوں، اب آپ کی بات مانتا ہوں، پھر وہ کھانے پر آگیا۔

آپ کی اس طویل زندگی میں آپ کو بہت سے لوگ اشعب جیسے ملیں گے، لیکن غم نہ کریں، بلکہ ان کے سامنے پہاڑ بن جائیں۔ جہاں بھی صبر و تحمل کا استعمال کیا جاتا ہے وہ چیز مزین اور خوبصورت بن جاتی ہے، مگر جیسے ہی یہ تحمل رخصت ہوا وہ چیز عیب دار اور بد نما ہو گئی۔

ملامت

جب عقل مند انسان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے، خود اس کی خطا اس کی نگاہوں میں اچھی طرح آشکارا ہو جاتی ہے تو بسا اوقات اسے نصیحت کرنے کی بھی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور ہلکی پھلکی تذکیر بھی اکسیر ثابت ہوتی ہے، اسی لئے اس پر ہمیں یا آپ کے لئے ملامت کرنا غیر پسندیدہ ہی نہیں بلکہ دوسرے کی دل شکنی کا سامان فراہم کرنا ہوتا ہے، چنانچہ اگر کسی کو اس کی خطا سمجھ میں آجائے تو اسے ملامت کے بجائے نرم انداز میں بات کہہ دی جائے۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی لاحق رہتی ہے کہ وہ لوگوں کو ملامت کر کے ان کے قریب ہو جاتے ہیں، یا اس سے انھیں اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ ”بھائی یہ تو بڑے بڑے

لوگ کوٹو کنے میں نہیں چوکے،“ یا اُن کی شخصیت پر رعب ہو جاتی ہے، دوسروں پر ان کی دھاک جم جاتی ہے۔

لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ملامت و لعن طعن کسی بھی طرح سے ذکاوت و ذہانت اور عقلمندی و شرافت میں شمار نہیں کی جاتی، بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے اس سے بہر حال گریز و اجتناب کرنا چاہئے اور اصلاح کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے جس سے نہ دوسروں کو جرح ہو نہ ہی حرج، کیونکہ انسان ملامت کو اپنے لئے تیر اور اپنی پیٹھ پر لگتا ہوا کوڑا محسوس کرتا ہے، اس لئے کہ ملامت نقص و کمی کی علامت ہے اور لوگوں کو کمی و نقص نہیں بلکہ کمال اور بلندی پسند ہے۔

اسی طرح اس بات کا بھی مکمل خیال رہے کہ کسی ایک آدمی کی اصلاح سب کے سامنے نہ کی جائے، البتہ اگر کوئی خطا بالکل عام ہو چکی ہو، سب لوگ اس میں مبتلا ہو رہے ہوں تو وہ انداز اختیار کیا جائے جسے نبی ﷺ نے اپنایا ہے کہ: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسا ویسا کرتے ہیں؟ لیکن کسی ایک کو نشانہ بنا کر اس پر تیر مارنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس سے اصلاح کے بجائے اس کے دل میں آپ کے لئے نفرت پیدا ہو جائے گی، اور آپ اُسے کبھی کسی بُرائی سے نہیں روک سکیں گے۔

ایک فقیر مسکین آدمی..... رزق کی تلاش میں اپنے شہر سے باہر گیا، وہاں اسے ڈرائیور کے طور پر رکھا گیا۔

ایک دن.... وہ بہت تھکا ہوا تھا، مگر اس نے مکان کی پروا نہ کی اور سفر پر چل پڑا، راستے میں اُس پر نیند کا خمار طاری ہونے لگا، اس کی گاڑی انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ رواں دواں تھی۔ سامنے سے ایک کار آرہی تھی، جس میں تین لوگ سوار تھے، اس نے اسٹئیرنگ سنبھالی اور گاڑی کو کنارہ کرنے لگا، لیکن تیز رفتاری نے..... حادثہ کروادیا۔

وہ گاڑی سے باہر نکلا اور حادثہ کا شکار ہوئی کار پر اس کی نظر پڑی تو یہ کیا....؟
تینوں لوگ جاں بحق ہو چکے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں لوگوں کا ایک جم غفیر آگیا، پولیس نے بھی اپنی آمد کے نقارے بجا دیے۔ اب وہ شخص سوچ رہا ہے کہ اسے نہ جانے کیا سزا ملے گی؟ کس طرح کی صعوبتیں اس کے گلے لگنے والی ہیں؟ کن مصائب سے اُسے دوچار ہونا ہے؟ اُسے اس کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اور ایک بے آسرا بیوی کا خیال آگیا، اس بے چارہ پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

لوگ اس کے ارد گرد کھڑے ہو کر اُسے لعن طعن کا شکار بنانے لگے، ملامت کے تیروں سے اُسے چھلنی کرنے لگے، کسی نے کہا: نظر نہیں آیا کیا کہ سامنے سے کار آرہی ہے؟ ایک طرف سے آواز آئی: اور تیز گاڑی چلاؤ، دیکھ لیا نا انجام؟ کوئی اس طرح گویا ہوا: نشہ میں ڈرائیونگ کرتے ہو کیا؟ نہ جانے تم جیسے لوگوں کو ڈرائیونگ کی اجازت کیسے مل جاتی ہے؟ الغرض لوگ اسے اپنی اپنی باتوں سے چھلنی کئے جارہے تھے اور وہ شخص ایک پتھر پر اپنے ہاتھ میں سر دیئے بیٹھا سب کی باتیں سن رہا تھا کہ اچانک... وہ ایک جانب لڑھک گیا اور..... مر گیا۔

افسوس! کیا یہ ملامت کا وقت تھا؟ کیا لعن طعن سے بھی مُردے زندہ ہو جاتے ہیں، کیا ملامت کرنے والے لوگ تھوڑی دیر انتظار نہیں کر سکتے تھے کہ یہ اُس مسکین کے حق میں بہتر ہوتا، یہ تو آپ کی ملامت کی تلوار سے مر گیا۔ ذرا آپ خود کو اُس شخص کی جگہ سوچیں جسے ملامت کیا جا رہا ہو، پھر تجزیہ کریں کہ اُس پر کیا گزرتی ہوگی، ممکن ہے اگر آپ اُس کی جگہ ہوتے تو اس سے بھی بڑی غلطی کر گزرتے۔

خیبر سے واپسی کے دوران..... سب لوگ تعب و تکان سے چور چور، رات کا وقت، محمد ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور دریافت فرمایا کہ: قافلہ کی نگرانی کون کرے گا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے۔ چنانچہ سب لوگ محو خواب ہو گئے اور یہ نماز میں مصروف ہو گئے، مگر جب تھکان نے انھیں بھی پٹخ دیا تو وہ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، اُن پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ بھی..... سو گئے۔

رات گزر چکی، اب صبح ہو چکی ہے اور سب بے خبر سو رہے ہیں، جب سورج کی تپش پڑی تو..... سب سے پہلے جناب نبی ﷺ کی آنکھیں کھلی، آپ نے لوگوں کو بیدار کیا، جب انھوں نے سورج کو نکلا ہوا پایا تو انھیں گھبراہٹ ہوئی اور سب بلال کو دیکھنے لگے، حضور ﷺ نے انھیں بلایا اور فرمایا: بلال! یہ تم نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ بلال نے جواب دیا: یا رسول اللہ! جس چیز نے آپ کو پکڑ لیا تھا اُسی نے مجھے بھی دبوچ لیا۔ (موطا 25)

یعنی میں بھی انسان ہوں اور میں گرچہ سونے کے ارادے سے نہیں تھا لیکن اتفاقاً نیند آگئی، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے سچ کہا اور آپ خاموش ہو گئے، نہ آپ نے انھیں ڈانٹنا ملامت کی کہ: جب تم ذمہ داری پوری نہیں کر سکتے تھے تو ذمہ داری لی ہی کیوں؟ نہ آپ ناراض ہوئے نہ انھیں سزا دی۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کچھ ناعاقبت اندیشوں کی وجہ سے گر پڑے، آپ کی چادر مبارک کھل گئی، آپ کا پیٹ اور پیٹھ برہنہ ہو گیا لیکن آپ نے کسی پر ملامت نہیں کی، آپ نے فرمایا: مجھے میری چادر واپس دو۔ جب کہ وہ لوگ اس کے مستحق تھے۔ (موطا 977)

ممکن ہے یہ روایت آپ کی نظر سے گذری ہو کہ ایک بار آپ ﷺ قبرستان کے پاس سے گذرے، دیکھا کہ ایک عورت اپنے بچے کے قبر کے پاس آہ و بکا کر رہی ہے، آپ نے کہا: اللہ کی بندی! صبر کر اور اللہ سے ڈر۔ وہ عورت بہت غمزہ تھی، آپ کو پہچان نہیں سکی اور اس نے کہا: آپ کو کیا خبر مجھ پر کتنی بڑی مصیبت آئی ہے؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور آگے چلے گئے، کیونکہ آپ سمجھ گئے کہ اسے اس وقت کچھ کہنا غیر مناسب ہے۔

جب آپ چلے گئے تو لوگوں نے اُس عورت سے کہا کہ: اری! یہ رسول اللہ تھے، اس عورت کو بڑی ندامت ہوئی، وہ دوڑی دوڑی آپ کے پاس آئی اور کہنے

لکی: یا رسول اللہ! مجھے معاف فرمادیں، میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، اب میں صبر کرتی ہوں، آپ نے اس کو ملامت نہیں کی، بس اتنا کہا: الصبر عند صدمة الاولیٰ۔ کہ صبر تو صدمہ کے پہلے گھڑی میں کیا جاتا ہے۔ (بخاری 1283)

اللہ اکبر! آپ ﷺ کتنے حلیم و بردبار، دانا و حکیم تھے، آپ کی حیات طیبہ میں حلم کا پہلو بہت نمایاں نظر آتا ہے، اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو آپ اسے ملامت اور لعن طعن کے بجائے بہتر انداز میں اس کی اصلاح فرما دیتے۔ تنقید و ملامت کو کبھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

آپ کسی کو ملامت کرنے سے پہلے خود اپنی ذات کو اُس کی جگہ میں رکھیں، اس کے بعد حکم لگائیں کہ ملامت کرنا کیسا ہے؟ اگر آپ کسی کوڑا ہی مارا چاہتے ہیں تو نرمی سے ماریں کہ وہ اُسے ہنس کر برداشت کر لے۔

میری باتوں سے یہ نتیجہ اخذ نہ کیا جائے کہ ملامت بہر صورت فتنہ و شنیع ہے۔ نہیں! کبھی کبھی اس کی ضرورت پڑتی ہے، دوست کے ساتھ، بیوی کے ساتھ، بچے کے ساتھ، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے لئے بہت ہی بہتر اور اچھا اسلوب اختیار کیا جائے، مناسب وقت اور درست موقع پر اس کا استعمال کریں۔

جی ہاں! اگر کسی کو قتل بھی کرنا ہو تو اُس میں بھی نرمی اختیار کرنی چاہئے، کیونکہ اللہ پاک نے ہر چیز میں احسان کرنے کا حکم دیا ہے، جب قتل کریں تو اچھی طرح قتل کریں، جب ذبح کریں تو چھری کو تیز کر کے بہتر انداز میں ذبح کیا جائے۔

چشم پوشی

انسان اپنے اندر تسامح، درگزر اور چشم پوشی کی عادت ڈالے بغیر زندگی کا پورا پورا لطف نہیں اٹھا سکتا، کسی بھی معاملہ کے اندر گھس کر اس کا سُراغ لگانا، اس کی بُرائیاں اور کمیاں تلاش کرنا درحقیقت زندگی کو گدلے پانی کی طرح کر دینا ہے، جسے نہ پیا جا سکتا ہے، نہ ہی کسی طرح استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

ایک آدمی اپنے شیخ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ میرے لئے ایک ایسی لڑکی تلاش کر دیں جس کے ساتھ رشتہ میں بندھ کر میں اپنی پوری زندگی اطمینان و سکون کے ساتھ گزار سکوں، شیخ نے اس سے پوچھا کہ: لڑکی کے اندر کیا کیا اوصاف ہونے چاہئیں؟ اس شخص نے جواب دیا:

”لڑکی ایسی ہو جس کا دین انتہائی بلند، جس کا ظاہری جمال انسان کو حیرت میں ڈال دے کہ گھٹکھریا لے، گھٹے اور لمبے بال، باریک ابرو جس کی خفیں الگ الگ ایسی کھینچی ہوئی ہوں جیسے کسی نے قلم سے بنایا ہو، پیشانی کشادہ، نیل گائے جیسی بڑی بڑی نیلگوں آنکھیں، سُرخ سیب کی طرح بھرے ہوئے لال گال، گلاب کی پنکھڑی جیسے باریک اور سُرخ ہونٹ، اولے کی طرح بالکل سفید دانت، ان کے درمیان تھوڑا سا خلاء جو دانتوں کے حُسن میں اضافہ کر رہا ہو، چہرہ پر بدن، لمبی قد و قامت والی، جس میں مشک کی خوشبو اور لذیذ کھانے کا مزہ ہو، شیریں کلام، نرم مزاج، نہ میری مخالفت کرے، نہ میری بات کو ٹالے، جس کے شر سے میں محفوظ رہوں، مجھے اُس سے ڈر بھی نہ لگے اور میں اس کی حکمت و دانائی سے متفع ہوتا رہوں۔“

شیخ نے بڑے اطمینان سے اس کی بات سنی پھر کہا: میرے بچے! میرے پاس

تمہارے لئے ایسی لڑکی موجود ہے۔ اُس نوجوان نے تڑپ کر پوچھا: کہاں ہے؟ شیخ نے جواب دیا: جنت میں۔ کیونکہ دنیا میں تو اپنی ذات کو تساح اور درگزر کا عادی بنانا پڑے گا، اپنے آپ کو ان مشکلوں میں اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں، ان کی کھوج و کرید میں لگانا حماقت ہے، ورنہ کسی دن اپنے دوست پر چیخ پڑو گے: میری بات کا یہ مطلب تھا کیا؟ کسی دن بچے پر غصہ کرو گے: اپنی سستی سے میری جان لو گے کیا؟ کسی روز اپنے بیوی پر برس جاؤ گے: تم میرا گھر برباد کرنا چاہتی ہو؟

حضور ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ لوگوں کی غلطیوں کو کثرت سے درگزر فرماتے، آپ کی ذات چشم پوشی سے مزین تھی، اسی لئے آپ اپنی زندگی سے پورے طور پر متمتع تھے۔

گھر میں چاشت کے وقت تشریف لاتے، آپ کو بھوک لگی ہوتی، پوچھتے کہ: کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملتا: نہیں! تو فرماتے: میں روزہ سے ہوں۔ (مسند ابی یعلیٰ 4563)

آپ اسے معمہ نہیں بناتے کہ کھانا کیوں نہیں بنایا؟ تم نے بتایا کیوں نہیں کہ گھر میں کچھ نہیں ہے تو میں بازار سے کچھ لے آتا۔ وغ وغ

غزوہ تبوک کے موقعہ پر ایک صحابی کلثوم ابن الحصین..... رات کے وقت آپ ﷺ کے قریب سے جا رہے تھے، انھیں نیند آنے لگی تھی، انھیں لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں ان کی سواری جناب نبی ﷺ کی سواری سے ٹکرا جائے، چنانچہ وہ چوکتا ہو گئے، لیکن پھر کسی وقت ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور ان کی سواری..... حضور ﷺ کی سواری سے ٹکرا گئی، آپ ﷺ کو اتنی چوٹ آئی، آپ کے منہ سے ”سی“ کی آواز نکل پڑی، یہ صحابی اسی آواز سے بیدار ہوئے اور گھبرا کر کہنے لگے: یا رسول اللہ! میرے لئے استغفار کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: چلو چلو! کوئی بات نہیں۔

دیکھئے جناب نبی ﷺ نے ان پر سختی نہیں فرمائی کہ: دکھتا نہیں ہے کیا؟ راستہ اتنا کشادہ تھا، میرے اتنے قریب کیوں چل رہے تھے؟ ہوش نہیں رہتا ہے کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے ملامت کی راہ اختیار نہیں کی، بلکہ درگزر کا معاملہ فرمایا۔

ایک دن ایک عورت آپ کی خدمت میں اپنا بچہ لے کر آئی کہ آپ اس کے لئے برکت کی دعا فرمادیں، وہ بچہ آپ ﷺ کی گود میں تھا، پس اس نے پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوایا اور اُس پر پانی ڈال دیا۔ (طبرانی: 20950)

بس یہ جاوہ جا۔ آپ چیں: بجیں نہیں ہوئے، آپ نے ملامت نہیں کی، بلکہ خندہ پیشانی سے کام لیا۔ تو کیوں ہم اپنے آپ کو ملامت کے ذریعہ عذاب میں مبتلا کریں؟ رائی کو پہاڑ بناتے پھرتے رہیں، یہ تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ تمام لوگ ہماری مرضی کے 100% موافق عمل کریں، اگر کسی کے اندر آپ نے کوئی عیب دیکھا تو اُسے ملامت کے بجائے دوسرے طریقوں سے بھی متنہ کر سکتے ہیں۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو چھوٹی سی بات کو معمہ بنا دیتے ہیں، لیکن میری سمجھ کے مطابق اس سے اُن کا خون جلنے کے علاوہ اُنھیں اور کوئی نفع نہیں ملتا، چنانچہ آپ دُنیا کی اس بھیڑ میں اپنی شخصیت کو درگزر کا عادی بنا کر ایک مثال بنیں، لوگوں کی محبت اور ان کی وارفتگی حاصل کرنے کے لئے عذر قبول کرنے والے بنیں، خواہ سامنے والا فاجر ہو یا نیک، فاسق ہو یا پیر۔ کسی کی بُرائی اور خرابی کے پیچھے پڑ کر اُس کی تفتیش کرنا شریعت میں محمود نہیں ہے۔ ذرا غور کریئے کہ:

ایک دن نبی کریم ﷺ خطبے دینے کے لئے منبر پر چڑھے، آپ کی آواز انتہائی بلند ہو گئی یہاں تک کہ مستورات جو اپنے گھروں میں تھیں، اُن کے کانوں میں آپ کی آواز آنے لگی، آپ نے فرمایا:

”اے وہ لوگو! جنھوں نے صرف زبان سے اسلام کا اقرار کیا ہے باوجودیکہ

اسلام ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے! سُن لو! مسلمانوں کی غیبت مت کرو، ان کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رازوں کے پیچھے پڑ جائے گا اور جس کے راز کے پیچھے خدا پڑ جائے وہ اُسے فضیحت و رسوا کر ہی دے گا، اگرچہ وہ اپنے گھر کے کونے میں جا کر چھپ جائے۔ (ابن حبان: 5763)

اسی لئے چشم پوشی کی عادت ڈالیں، کیونکہ کسی کی غلطی کو پکڑنا بسا اوقات سالہا سال بلکہ پوری عمر تک کے لئے آپسی دشمنی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ کیا ہی بہتر ہو کہ آپ ہی اُس سے کہہ دیں کہ بھائی میری ہی غلطی تھی، مجھے معاف کریں، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

آپ کی بات بے اثر.....

پھر اس بات کا بھی دھیان رہے کہ آپ کا مشورہ اور آپ کی نصیحت اُسی وقت اثر انداز ہوتی ہے جب آپ کے اندر خود بھی نصیحت قبول کرنے کا مادہ ہو، آپ اپنی غلطی اور جرم کا اعتراف کرنے والے ہوں، ورنہ اگر آپ خود اپنی غلطی کا اقرار نہیں کریں گے تو آہستہ آہستہ آپ کی باتوں سے اثر ختم ہوتا جائے گا اور آپ کا کلام بالکل بے اثر رہ جائے گا۔

آپ اپنی بیوی سے کہتے ہیں کہ: فارحہ! بچہ کا ہمیشہ خیال رکھو، گھر کی صفائی و ستھرائی کا اہتمام کیا کرو، سونے کا کمرہ سلیقہ سے رہے۔

ایک دن آپ کی رفیقہ حیات نے آپ سے کہا کہ: بچوں کے امتحان کا زمانہ ہے اور یہ آپ کی عدم موجودگی میں پڑھائی پر توجہ نہیں دیتے، آپ دوستوں سے ذرا جلد فارغ ہو کر گھر آ جایا کریں، بس آپ چیخ پڑے: میرا وقت، میرا دوست، تمہیں کیا

مطلب؟ تم میرے کاموں میں دخل اندازی کرنے والی کون ہوتی ہو؟ آپ ہی سوچیں کیا وہ بے چاری آئندہ آپ کے حکم کو بشاشت اور خوشی سے پورا کرے گی؟

ہرگز نہیں! کیونکہ آپ نے اُس کے مشورے کو ورے اور پڑے ڈال دیا، غفلت مند وہ شخص ہے جو اپنے دیوار کے سوراخ کو ہی بند رکھے کہ کسی کو اس میں جھانکنے کا موقعہ ہی نہ ملے، آپ کسی کے لئے ایسا موقعہ اور وقت ہی فراہم ہی نہ کریں جس کی وجہ سے وہ آپ پر کسی وقت اُلگی اٹھا سکے۔

یہ بہادری ہرگز نہیں ہے کہ آپ اپنی خطا پر مصر رہیں، اس کا اعتراف و اقرار ہی نہ کریں، آپ بھی انسان ہیں آپ سے غلطی کا صدور ہو سکتا ہے، یہ کوئی عیب کی بات نہیں، عیب یہ ہے کہ آپ اُس کا اقرار نہ کریں، لہذا خطا کا اعتراف کرنے والے بنیں کیونکہ اعتراف خطا بھی کمال ہے۔

چھوٹے چھوٹے امور

اگر آپ زندگی سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو اس قاعدہ کو ہمیشہ کے لئے ذہن نشین کر لیں کہ ”چھوٹے چھوٹے امور کے پیچھے نہ پڑا جائے“ اس لئے کہ ایسا کرنا اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا رکھنا ہے، ہم ایسا کر کے خواہ مخواہ خود کو تکلیف میں ڈالتے ہیں جب کہ اس سے نہ تو پریشانی حل ہوتی ہے نہ ہی درد کا مداوا۔ فرض کریں:

آپ ایک جلسہ میں گئے، بہت ہی خوبصورت لباس پہن کر، سر پر غترہ اور عقال باندھ کر بالکل دولہے کی طرح رونق افروز ہوئے، اب آپ سب سے ایک ایک کر کے مصافحہ کر رہے ہیں، مسکرا کر مل رہے ہیں کہ اچانک ایک بچہ آپ کے پیچھے سے آیا اور آپ کا عمامہ کھینچ کر آپ کے غترہ اور عقال کو گرا دیا، آپ کی شکل بالکل مضحکہ خیز ہو گئی۔ آپ یہاں کیا کریں گے؟

ہم میں سے اکثر لوگ یہاں وہ طریقہ اختیار کریں گے اور وہ اُسلوب و طریقہ اپنائیں گے جو درحقیقت اس پریشانی کا حل نہیں ہوگی، آپ اس بچے کے پیچھے دوڑیں گے، اسے گالی دیں گے، بُرا بھلا کہیں گے، اس پر بے انتہا چیخیں گے، لیکن اس سے کیا ہوگا، کیا اُس بچے کا کیا ہوا کام واپس ہو جائے گا؟

نہیں! بلکہ لوگ اور ہنسیں گے۔ یہاں آپ اُس بچے کو نہیں خود کو تکلیف اور عذاب میں ڈال رہے ہیں۔

یا فرض کریں: آپ نیا جوڑا پہن کر باہر تشریف لائے، سامنے ایک گڑھے میں کچھ پانی جمع تھا کہ اچانک..... ایک تیز رفتار کار آئی اور آپ کے کپڑوں کو اس پانی سے خراب کرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

بتائیں یہاں آپ کیا کریں گے؟ اس جگہ بھی اکثر لوگ وہی عمل دوہرائیں گے جو اس مسئلہ کا حقیقی حل نہیں ہوگا، آپ اُس پر چیخ کر خود کو عذاب میں مبتلا کریں گے۔ آپ کو اس جگہ وہی کرنا چاہئے جو نبی کریم ﷺ نے ایسے مواقع پر کیا ہے کہ گذری باتوں کو یاد کر کے اپنی تکلیف میں اضافہ نہ کیا جائے۔

احنف بن قیس قبیلہ بنو تمیم کے سردار..... جسمانی طاقت، پہلوانی یا کثرت مال اور حسب و نسب کی بلندی سے سردار نہیں بنے، بلکہ وہ حلم و بردباری کی وجہ سے اس منصب پر بٹھائے گئے۔ کچھ لوگوں کو ان سے دشمنی ہوگئی، اُن لوگوں نے اپنی قوم کے سب سے بڑے بے وقوف آدمی کو بلایا اور کہا کہ: یہ ایک ہزار درہم لے جاؤ مگر شرط یہ ہے کہ تم احنف کے منہ پر سب کے سامنے ایک طمانچہ مارو گے۔

چنانچہ وہ خرد باختہ شخص آیا تو دیکھا کہ احنف مجلس میں بہت سے لوگوں کے ساتھ اس طرح بیٹھے ہیں کہ ان کی ٹانگیں سینے سے لگی ہوئی ہیں اور وہ سب سے باتیں کر رہے ہیں، وہ شخص اُن کے قریب ہوا اور قریب ہوا.... اور قریب ہوا، جب وہ احنف کے بالکل سامنے آگیا تو احنف نے اپنا سر اس کی طرف کر دیا کہ ممکن ہے یہ کوئی

راز کی بات کہنا چاہتا ہو، اچانک اس احمق نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اتنی زور سے احنف کے منہ پر طمانچہ مارا کہ اندیشہ تھا کہ ان کا چہرہ زخمی نہ ہو گیا ہو، احنف نے اس کو دیکھا اور بہت ہی نرمی سے پوچھا کہ: تم نے مجھے کیوں مارا؟ اس نے جواب دیا کہ: اُن لوگوں نے مجھے ایک ہزار درہم دئے ہیں کہ میں بنو تمیم کے سردار کو سر عام ایک طمانچہ ماروں، احنف بن قیس نے کہا: آہ وہ! تم نے کچھ نہیں کیا، میں بنو تمیم کا سردار نہیں ہوں، اُس شخص نے بڑے تعجب سے کہا کہ: تو بنو تمیم کا سردار کون ہے؟ احنف نے حارث بن قدامہ کی طرف (جو انتہائی غیظ و غضب میں بھرا ہوا تھا وہ اتنا غصہ ور تھا کہ اگر اس کا غصہ ایک جماعت میں تقسیم کر دیا جاتا تو ان کو کافی ہو جاتا) اشارہ کر کے کہا کہ: یہ بنو تمیم کا سردار ہے۔ وہ بے وقوف حارث کی طرف بڑھا اور اس کے قریب جا کر اسے ایک طمانچہ مارا، ابھی اس کا ہاتھ حارث کے گال سے جدا بھی نہیں ہوا تھا کہ حارث نے اپنے بازو میں رکھی تلوار اٹھائی اور اس کا ہاتھ جسم سے جدا کر دیا۔

جی! عقلمند انسان اخیر میں ہنستا ہے اور بے وقوف شروع میں۔ غور فرمائیں کہ احنف نے حلم و بردباری کا جامہ پہن کر کس طرح اپنا بدلہ لیا؟ بہت سے لوگ غصہ میں اپنا ہاتھ زمین پر دے مارتے ہیں مگر جب تکلیف ہوتی ہے تو خود ہی ”اوہ اوہ“ کرتے ہیں، ہم مشکلوں اور پریشانیوں کو اُن چیزوں سے دفع نہیں کر سکتے جو مسائل کا حل ہونے کے بجائے خود ایک نئی مصیبت اور پریشانی کھڑی کر دیتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے میت پر چیخ و پکار کر رونے سے اسی لئے منع فرمایا ہے کہ اس سے مردوں کو آرام تو نہیں ملتا، البتہ رونے والے کی تکلیف میں اضافہ ضرور ہو جاتا ہے، لہذا اگر آپ اپنی زندگی جینا چاہتے ہیں تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر دھیان نہ دیں، اُن کی بال کی کھال نہ نکالیں، گذری باتوں اور ماضی کی مشقتوں کو یاد کر کے غم نہ کریں، کیونکہ غم مصیبت کو دفع نہیں کر سکتی، بلکہ وہ مصیبت میں مزید اضافہ کرتی ہے۔

لَا تَأْسُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے چہروں پر ہمہ وقت مسکان بھی رہتی ہے، وہ ہمیشہ خوش و خرم نظر آتے ہیں، جب کہ ان کی اندرونی حالت یہ ہے کہ تنخواہ بہت کم، گھر بہت چھوٹا، گاڑی تو نہیں البتہ سائیکل ہے تو وہ بھی بہت پرانی، اولاد کی ضرورتیں بہت زیادہ، لیکن پھر بھی مسکراہٹ اُن سے جدا نہیں ہوتی۔

ہاں! یہ وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو غم و فکر میں ڈبلا نہیں کرتا، وہ مصیبت پر ملال نہیں کرتا، اسے مسائل درپیش آتے ہیں لیکن وہ اس کا اثر دل پر نہیں پڑنے دیتا، وہ رنج کو پرے پھینک دیتا ہے، یہی شخص حقیقتاً زندگی سے پوری طرح لطف اندوز ہے، کیونکہ وہ شکایتوں اور شکوکوں کو اپنے پاس جگہ نہیں دیتا ہے کہ اس کا لڑکا بیمار ہے، تنخواہ کم ہے، اسے بہت تکلیف ہے وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ اس کے پاس جو کچھ ہے اسی پر قناعت کر کے نیک بختی حاصل کرتا ہے، وہ اللہ کی تقسیم پر راضی ہے۔

بیشک خدا کی ذات بڑی پاک ہے، ہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے، وہ کسی کو خوب مال و دولت، منصب و عہدہ اور حسب و نسب سے نوازتا ہے لیکن اُس سے عقل و خرد لے لیتا ہے، آپ ایسے شخص کو بھی دیکھیں گے جسے اللہ نے مالوں کا ڈھیر دیا، اسے طاقت و راور ہٹا کٹا بنایا لیکن وہ پاگل خانے میں پڑا ہوا ہے۔

کسی کو اللہ نے بہت زیادہ مال و دولت دی، عقل سے بھی محروم نہیں کیا لیکن اس سے تندرستی چھین لی، چنانچہ وہ سالہا سال سے بستر پر پڑا ہوا ہے۔

کسی کو تندرستی اور صحت عطا کی لیکن اسے مال و دولت سے محروم کر دیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہتا کرتا ہے، اسے نہ کوئی روک سکتا ہے نہ ہی کوئی ٹوک سکتا ہے نہ تو کوئی پوچھ سکتا ہے۔

لہذا ہر شخص کے لئے مناسب و موزوں بلکہ اس کا فرض ہے کہ ہر حال میں اللہ کا شکر بجالائے، اپنی پریشانی و مصیبت کا شکوہ کرنے سے پہلے اللہ کی ان نعمتوں کو خیال میں لائے جو اللہ نے اُسے عطا کی ہے، اگر آپ کو اللہ نے مال و دولت نہیں دیا ہے تو شکر کریں کہ اس نے آپ کو صحت سے تو نوازا ہے، اگر آپ صحت مند نہیں ہیں تو بھی شکر کریں کہ اس نے آپ کو عقل سے محروم نہیں کیا، اور اس سے بڑی عنایت کیا ہو سکتی ہے کہ اس نے آپ کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا، مبارک ہو آپ کو کہ آپ اسلام کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں اور ان شاء اللہ اسلام پر ہی موت آئے گی۔ لہذا دل کے اندرونی حصہ سے آواز بلند کہیں الحمد للہ۔

ہائے افسوس

یہ دنیا ہر وقت آپ کی مرضی اور خواہش کے مطابق نہیں چل سکتی، آپ ہمیشہ جس چیز کا ارادہ کریں وہ پورا نہیں ہو سکتا، لیکن آپ کے پاس فی الوقت جو کچھ موجود ہے اس سے تو فائدہ اٹھاتے رہیں، جو چیزیں میسر نہیں ہیں اُس پر افسوس کرنے لگیں تو افسوس اور لیت و لعل سے وہ چیز کبھی نہیں مل سکتی، البتہ اس افسوس کے نتیجہ میں موجودہ نعمتوں کا مزہ پھیکا ضرور پڑ جائے گا۔

آپ کی گاڑی بہت پرانی اور بو و سیدہ ہو گئی ہے، پنکھے سے ہوا نہیں آرہی ہے، زینے اور چھت کے پرچے اڑ رہے ہیں اور آپ کے پاس ان کے بدلنے کی استطاعت و طاقت نہیں ہے۔ اس کا کیا حل ہے؟

آپ نے ایک لڑکی کو نکاح کا پیغام بھیجا، مگر اس نے آپ کے آفر اور پیغام کو Refuse کر دیا اور ٹھکرا دیا، اور دوسرے سے شادی کر لی۔ اس کا کیا حل ہے؟

آپ ایک جامعہ یا یونیورسٹی میں داخلہ کے خواہشمند ہیں، آپ نے اُس کے لئے Apply کر دیا، لیکن اتفاق سے آپ کا نام نہیں آیا، آپ وہاں کے لئے منتخب نہیں کئے گئے، آپ کے پاس کسی بڑی شخصیت کی پشت پناہی بھی نہیں ہے جس کی بنیاد پر آپ وہاں کے لئے Select کر لئے جائیں۔ اس کا کیا علاج اور کیا حل ہے؟

اکثر لوگ ان جیسے مسائل کا حل یہ تلاش کرتے ہیں کہ دائمی فکر و غم کو اپنے اوپر سوار کر لیں گے، افسوس، شکوہ شکایت میں لگ جائیں گے، لیکن درحقیقت یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے، یہ افسوس اور غم لٹی ہوئی چیز کو واپس نہیں لاسکتا، کیا نوحوں سے بھی کبھی مُردے زندہ ہوتے ہیں؟ جو رزق آپ کے مقدر میں نہیں ہے تو لیت و لعل سے وہ آپ کے نصیب میں نہیں آسکتا۔ تب مسئلہ کا کیا حل ہے.....؟؟

عقل مند انسان وہ ہے جو ان جیسے مواقع پر حالات سے سمجھوتہ کر لے، لیت و لعل اور ہائے وائے کے چکر میں پڑ کر اپنی زندگی کو خود سے برباد نہ کرے، جب تک اُسے اس سے اچھی چیز نہیں مل جاتی وہ موجودہ نعمتوں سے ہی لطف اندوز ہوتا رہے اور زندگی کا حقیقی مزہ لیتا رہے۔

میرے متعلقین میں سے کچھ لوگ ایک مسجد بنوا رہے تھے، کام ابھی درمیان میں ہی تھا کہ پیسے ختم ہو گئے، انھوں نے کچھ تاجروں سے مدد لینے کا فیصلہ کیا اور ایک بہت بڑے بزنس مین کے پاس اس سلسلے میں گئے، اس نے ان لوگوں کو بٹھایا اور ان سے جو ہوسکا مدد کی، اچانک اس تاجر نے اپنی جیب سے ایک دو انکالی اور ایک گولی منہ میں ڈال لی، ان میں سے کسی ایک نے اُن سے پوچھ ڈالا کہ: آپ بیمار ہیں کیا؟ تاجر نے جواب دیا کہ: نہیں! لیکن یہ نیند کی گولی ہے اور میں دس سال سے اس گولی کے پنا نہیں سوسکا ہوں، اُن لوگوں نے اس تاجر کے لئے دعا کی اور نکل پڑے۔

راستے میں ان کی نظر کچھ ایسے لوگوں پر پڑی جو راستے کی ٹیوب بلب کی روشنی میں کام کر رہے تھے اور جب سونے کا وقت آیا تو روڈی کا غنڈہ کچھا کر سو گئے۔

یہ غریب نہیں تھے بلکہ یہ وہ لوگ تھے جن کے پاس گرچہ زندگی کی آسائشیں مہیا نہیں ہیں مگر پھر بھی یہ لوگ زندگی سے پوری طرح متمتع اور لطف اندوز ہیں۔

آپ بھی زندگی جی سکتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اُس میں غم و فکر کو جگہ نہ دیں، گھڑی کی ہر ٹک ٹک ہماری زندگی کو مختصر کئے جا رہی ہے، اسی لئے ہمارے اور آپ کے پاس جس قدر نعمتیں اور آرائشیں موجود ہیں اُس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔

میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ مزید کے لئے کوشش نہ کریں، بلکہ آرائش و آسائش میں ترقی ضرور ہونی چاہئے لیکن اُس کو لے کر غم نہ ہونے پائے، غصہ کر کے اپنے آپ کو عذاب میں نہ ڈالا جائے، کیا آپ نہیں جانتے کہ سمندر کی ہوا ہمیشہ کشتی اور جہاز کے موافق نہیں چلتی بلکہ کبھی کبھی اُس کے مخالف بھی ہو جاتی ہے۔

پہلے معذرت کر دینا

میرا ایک انتہائی عقلمند، دین دار اور با اخلاق دوست تھا، وہ کسی مدرسہ میں پڑھایا کرتا تھا اور کسی مسجد کا امام بھی تھا، لیکن میں نے بہت سے لوگوں کے منہ سے اسے بُرا بھلا کہتے سنا تھا، مجھے بڑی حیرت ہوتی کہ یہ بظاہر تو اتنا اچھا ہے، پھر بھی لوگ اُسے.....

ایک دن میرے پاس اس کا ایک پڑوسی آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے دوست کا کیا حال ہے، آج کل وہ مسجد بھی نہیں آ رہا ہے، میں نے کہا: کیوں؟ کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: پتہ نہیں، وہ مسجد کا امام بھی ہے مگر پھر بھی کافی دنوں سے مسجد سے غیر حاضر ہے۔ میں اُس کی طرف سے معذرت کرنے لگا کہ ممکن ہے وہ کسی کام میں پھنس گیا ہو یا گھر میں نہیں ہو۔ اس شخص نے کہا: نہیں بھائی! وہ گھر میں موجود ہے اور تندرست ہے، میں نے اسے کئی بار فون بھی کیا لیکن وہ فون ریسپونڈ نہیں کر رہا ہے۔

اب مجھے تردد ہوا اور میں ہمت کر کے اس کے گھر پہنچا، میں نے جب اس

سے اس کا سبب معلوم کیا تو حقیقت کچھ اس طرح بے نقاب ہوئی کہ:

”لوگ اُسے امام، عالم اور بڑا سمجھ کر اس کے پاس اپنی ضرورتیں لے آتے، کوئی قرض کی ادائیگی کی فریاد لاتا، تو کوئی مدرسہ میں سفارش کروانے کا درخواست کرتا، کوئی مریض ہے تو کچھ معاونت کی گزارش کرتا، کوئی.....

جب کہ حقیقت یہ تھی کہ اس کی اتنی رسائی اور اس کا اتنا اثر و رسوخ نہیں تھا کہ وہ ان کا کام اور ان کی خواہشیں پوری کر سکتا، وہ حیاء و شرمندگی کی وجہ سے سب سے وعدہ کر لیتا، وقت موعود آنے پر پھر اگلا وقت دے دیتا، آخر نوبت یہاں تک پہنچتی کہ یہ ڈر سے اُس کا فون نہیں اٹھاتا، اب وہ شخص اسے گالی دے رہا ہے، چیخ رہا ہے کہ تم نے پہلے کیوں نہیں کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا؟ میں نے تم پر بھروسہ کر کے کسی اور سے بات بھی نہیں کی، تم نے میرا وقت کیوں برباد کیا؟

اس وقت میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ بے چارہ اپنے لئے خود سے گڑھا کھودتا ہے پھر خود ہی اس میں گر جاتا ہے، اسے چاہئے کہ ہمت کر کے کہہ دے کہ: افسوس! میں یہ نہیں کر سکتا، میں اس سلسلہ میں آپ کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتا، میں معذور ہوں، ایک دانا کا قول ہے: الاعتذار فی البدایۃ خیر من الاعتذار فی النہایۃ کہ ابتداء میں معذرت کر لینا بعد میں معذرت کرنے اور شرمندہ ہونے سے بہتر ہے۔

دراصل ہر انسان کا ایک دائرہ کا رہے، وہ صرف اپنے دائرہ کے اندر ہی مداخلت کر سکتا ہے، لہذا جو چیزیں اس کے بس اور استطاعت سے باہر ہیں اُس سے وہ پہلے ہی سبکدوش ہو جائے، کیوں کہ پہلے معذرت کر لینا بعد میں وعدہ خلافی کرنے اور شرمندگی مول لینے سے بہتر ہے۔

گھر سے نکلنے کے وقت..... بیوی نے آواز دے کر کہا: واپسی میں دودھ اور شکر لیتے آنا۔ آپ نے ”ٹھیک ہے ٹھیک ہے (OK) کہا اور چلتے بنے۔ اگر آپ نہیں لا

سکتے ہیں تو ابھی ہی کہہ دیں کہ میں نہیں لا سکوں گا، کسی نوکر سے منگوا لویا بچہ کو بھیج دو، یہ اس سے بہتر ہے کہ بعد میں آپ خالی ہاتھ آئیں اور کہیں کہ: ”ٹائم نہیں ملا، بھول گیا“ اور وہ آپ سے لڑے اور آپ پر برسے۔ الاعتذار فی البدایۃ خیر من الاعتذار فی النہایۃ

جن چیزوں پر آپ قادر نہیں ہیں، جو کام آپ پورا نہیں کر سکتے، اس میں بلا تردد کہہ دیں کہ یہ میرے بس میں نہیں ہے، میں نہیں کر سکوں گا۔ آپ خواہ مخواہ جھوٹا وعدہ کر لیں کہ میں یہ کام کر دوں گا اور آپ نے نہیں کیا تو اس سے سامنے والے کے دل کو ٹھیس پہنچتی ہے، اس کے دل سے آپ کی قدر ختم ہو جاتی ہے اور بہت سی مرتبہ اسے بڑے نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آپ کے پاس ایک آدمی اپنے بھائی کو لے کر آیا کہ آپ اس کی کسی یونیورسٹی میں سفارش کر دیں جبکہ آپ اس سے عاجز ہیں تو اس سے کہہ سکتے ہیں: بھائی! بیشک میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں، میں تمہیں اپنا بھائی سمجھتا ہوں، اگر ہم پانچ ہیں تو تم ہمارے چھٹے بھائی ہو، لیکن مشکل یہ ہے کہ میں اس سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکوں گا، اگر مجھ سے ہو سکتا تو ضرور کر دیتا، میں دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی پریشانی حل فرمائے۔

لطیف و حسین اور مناسب و خوبصورت انداز میں کسی کو رد کر دینا اس سے بہتر ہے کہ آپ اُس سے جھوٹا وعدہ کر لیں، ہمیشہ صدق بیانی اور صاف گوئی سے کام لیں، لوگوں کے سامنے جرات کا مظاہرہ کریں۔

پوشیدہ عبادت

حضرت زبیرؓ بن عوام فرماتے ہیں: من استطاع منكم ان يكون له خبيثة من عمل صالح فليفعل. اگر تم میں سے کوئی شخص پوشیدہ نیکی کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو چاہئے کہ وہ ضرور کرے، چھپ کر اور پوشیدہ طور پر نیکی کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں: مثلاً

راتوں کی تنہائی میں نماز پڑھنا: حضور ﷺ کا فرمان ہے: وصلوا والناس نيام تدخلوا الجنة بسلام. (ترمذی: 2485) جب لوگ سو رہے ہوں تو اس وقت نماز پڑھو، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

لوگوں کے درمیان صلح کروانا: حضور ﷺ کا فرمان ہے: الا اخبركم بأفضل من درجة الصلاة والصيام والصدقة؟ قالوا: بلى! قال: اصلاح ذات البين، وفساد ذات البين هي الحالقة. (مسند احمد: 27548) کیا میں تمہیں نماز، روزے اور صدقہ سے زیادہ افضل درجہ والا عمل نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ضرور فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: لوگوں کے بیچ صلح کروانا، اور جان لو کہ لوگوں کے اندر فتنہ و فساد پیدا کرنا نیکیوں کو مونڈ کر ختم کرنے والی چیز ہے۔

چھپا کر صدقہ کرنا: یہ اللہ کے غصہ اور غضب کو بجھا دیتا ہے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ روزانہ فجر کی نماز پڑھ کر جنگل چلے جاتے پھر تھوڑی دیر بعد واپس تشریف لے آتے، عمرؓ کو حیرت ہوئی کہ یہ روز اس وقت کہاں چلے جاتے ہیں؟ ایک دن انھوں نے چھپ کر ابوبکرؓ کا تعاقب کیا تو دیکھا کہ جنگل میں ایک بہت

پرانا اور بوسیدہ خیمہ ہے، آپ اس میں تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد نکل کر چلے گئے، عمرؓ اس خیمہ میں گئے تو دیکھا کہ اس کے اندر ایک اندھی بوڑھیا اور کچھ بچے ہیں، آپ نے اُس سے پوچھا کہ: تمہارے پاس روز کون آتا ہے؟ بوڑھیا نے جواب دیا کہ: پتہ نہیں وہ کون ہے؟ لیکن مسلمانوں میں کا کوئی فرد ہے، وہ روز اس وقت ہمارے خیمہ میں آتا ہے، یہاں جھاڑو لگاتا ہے، ہمارے آٹے گوندھ دیتا ہے اور ہماری بکریوں کا دودھ دودھ دیتا ہے پھر چلا جاتا ہے۔

انتہاء یہ نہیں ہے کہ لوگ آپ سے ظاہری طور پر محبت کرنے لگیں، بلکہ انتہاء یہ ہے کہ لوگ اپنے باطن اور اندر سے آپ کو محبوب رکھیں، عبادتِ خفی سے اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرنے لگتا ہے، جب اللہ بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں تو ساری زمین پر اس کی مقبولیت عام کر دی جاتی ہے اور یہ مقبولیت و محبوبیت ظاہری نہیں ہوتی بلکہ باطنی اور اندرونی ہوتی ہے۔

بہت سی مرتبہ کسی مجلس میں کوئی آدمی کسی شخص کے لباس یا بات چیت یا اسلوب و طریقہ کا مذاق اڑانے لگا، اسے زخم پہونچانے لگا کہ آپ نے اس کی مدافعت کر دی، اس نے آپ کا بہت احسان مانا اور دل سے آپ کا شکر گزار ہوا۔ کیونکہ آپ نے اسے گڑھے میں گرنے سے صاف بچا دیا، یہ بھی مخفی عبادت ہے۔

آپ ایک دوست کے گھر گئے، اس کا بچہ کھانے کا طبق اٹھا کر لا رہا تھا کہ اس نے تھوڑی عجلت کی اور قریب تھا کہ طبق..... نیچے آ پڑتا۔ اب اس کے والد نے اسے ڈانٹ پلائی: جلدی کیا ہے؟ کتنی بار تجھے بتاؤں گا؟ ذرا بھی ہوش نہیں ہے؟ بچہ کارنگ لال پیلا ہونے لگا کہ آپ نے کہا: نہیں نہیں! ماشاء اللہ! یہ تو بہت سمجھدار ہے، ارے بھائی تھوڑی بہت جلدی ہو گئی تو کیا ہوا۔

اس چھوٹے سے کلام سے اس بچہ کا دل آپ کا ممنون ہو جائے گا، تو غور کریں

عطاء و بخشش

کہتے ہیں کہ بخل سے بڑا کوئی مرض نہیں (امام جاحظؒ نے بخیلوں کے مفصل حالات اپنی کتاب ”البحلاء“ میں قلم بند کیا ہے، اردو میں اس کا ترجمہ بھی شائع ہوا ہے) سخاوت و فیاضی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، بہت سے لوگ سخاوت میں اپنی مثال نہیں رکھتے، دراصل اللہ تعالیٰ نے ہر مال دار شخص کو خزانچی بنایا ہے اور اسے یہ حکم دیا کہ وہ یہ مال غریبوں تک پہنچا دیں، اسی لئے کسی کو کچھ دینے اور بخشش کے وقت نیت بھلی اور اچھی رکھنی چاہئے، مسلمانوں سے محبت والفت اور اللہ کی رضا کے لئے دیا جائے، اسے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کیا جائے، اس عمل سے اپنی تعریف و توصیف اور شہرت مقصود نہ ہو۔

ایک شخص نے شادی کے موقع پر کسی کو اپنی قیمتی شیروانی پہننے کے لئے دی، جب وہ آدمی سچ سن کر تقریب میں آیا تو اس نے سب کے سامنے اُسے کہہ دیا: یہ وہی شیروانی ہے نا جو میں نے تمہیں پہننے کے لئے دی تھی؟ وہ شخص جھینپ گیا، اسے اُس وقت شیروانی دے کر اس طرح ذلیل کرنے والے شخص پر اتنا غصہ آیا کہ اس نے دل میں یہ عہد اور یہ عزم کر لیا کہ آئندہ کبھی اس سے کچھ نہیں لے گا۔

لیکن اتفاق سے کسی موقع پر پھر اُس کو شیروانی کی حاجت ہوئی تو اس شخص نے کہا کہ: میری شیروانی لے لو، اُس نے کہا: نہیں! تم نے پہلی بار مجھے سب کے سامنے رسوا کیا تھا، اب میں تمہاری شیروانی نہیں لوں گا، اس نے کہا: میں وعدہ کرتا ہوں اس بار کسی کے سامنے ایسا کچھ نہیں کہوں گا، اُس نے شیروانی لے لی اور پہن کر مجلس میں گیا تو اس آدمی نے سب کے سامنے اُس سے کہا: میں اس بار کسی سے نہیں بتاؤں گا کہ تم میری شیروانی پہن کر آئے ہو۔ (تبصرہ آپ کے ذمہ)

بڑے لوگوں کے دل میں اس کا کتنا اثر ہوگا؟ پوشیدہ عبادت۔

ایک مجلس میں کسی پر بہت ملامت کی جا رہی تھی کہ آپ نے اسی میں اس کی تعریف کر دی۔ آپ کے بھائی کو گھر میں سب لوگ سخت سست کہہ رہے تھے، اس پر لعن طعن کر رہے تھے کہ آپ نے اس کے پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر اس کی کچھ خوبیوں کا تذکرہ کر دیا۔ پوشیدہ عبادت ہے۔

مجلس عام میں کسی نے آپ کے دوست سے پوچھ دیا کہ: جامعہ میں تمہاری کیا حیثیت ہے؟ آپ کو اللہ کی قسم! کیا سر عام یہ سوال کرنا مناسب ہے؟ آپ نے درمیان میں کہہ دیا: کیوں؟ آپ اسے کہیں ملازمت دیں گے کیا؟ یا اس کی شادی کرائیں گے؟ سب ہنس پڑے اور سوال گڈ مڈ ہو گیا۔ پوشیدہ عبادت۔

دل جیتنا اور ڈوبتوں کو تنکے کا سہارا دینا بھی پوشیدہ اور مخفی عبادت ہے، دراصل لوگوں کی محبت پانا ایک ٹکیہ ہے جسے صرف عقل مند لوگ ہی پاسکتے ہیں۔

ایک دن عبداللہ بن مسعود جناب محمد بن عبداللہ ﷺ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں محمد ﷺ نے ان سے کہا کہ: اس درخت پر چڑھ کر میرے لئے مسواک توڑ لاؤ، وہ چڑھ گئے، اتنے میں تیز ہوا چلی اور ان کی پنڈلیاں کھل گئی، صحابہ کرام ان کی پتلی پتلی اور چھوٹی پنڈلی پر ہنس پڑے، حضور نے پوچھا کہ: کیوں ہنس رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ان کی دہلی ورملکی پنڈلی پر۔ محمد ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ میزان میں بہت وزنی ہے۔ (مسند احمد: 3991)

ایک حدیث میں ہے کہ جہنم کی آگ سب سے پہلے تین لوگوں پر بھڑکائی جائے گی، ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جس نے اپنا مال دوسرے کو اس لئے دیا ہوگا کہ لوگ اُسے سخی و فیاض کہیں، یعنی اس نے یہ کام اللہ کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ مخلوق کے منہ سے اپنی تعریف سننے کے لئے کیا ہوگا۔

چنانچہ کسی کو کچھ دینے کے وقت نیت مکمل صحیح ہونی چاہئے، اسی طرح عطاء و بخشش کے وقت لوگوں کے درجات و مرتبے کا بھی خیال رہے کہ سب سے پہلے آپ کے گھر والے، ماں.. باپ.. بیوی.. بچے.. پھر قریبی رشتہ دار ابداء بمن تعول (بخاری: 5355) کہ پہلے اپنے اہل و عیال کو دو۔ کفی بالمرء اثماً ان یضیع من یعول (السنن الکبریٰ للسنائی: 9131) کہ انسان کے گنہ گار ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو ضائع کر دے۔

کچھ ہی دنوں بعد..... وہ راز رفتہ رفتہ آپ کے پاس واپس پہنچ جاتا ہے۔ اسی لئے کوشش کریں کہ آپ کا راز آپ کی زبان سے باہر نہ نکلے، غور طلب ہے کہ جب آپ نے خود اپنے راز کی حفاظت نہیں کی، اُسے افشاء کر دیا تو آپ نے دوسروں پر کیسے یقین کر لیا کہ وہ اس کی حفاظت کر لے گا...؟

مشکل امر یہ ہے کہ آپ لوگوں سے کسی معاملہ میں مشورہ طلب کرتے ہیں اور اپنا راز اس کے سامنے اُگل دیتے ہیں، جب کہ وہ اس کو افشاء کر کے سرِ عام آپ کو فضیحت و رسوا کر دیتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے ایک دن اپنے خادم حضرت انسؓ کو کہیں کسی کام سے بھیجا، راہ میں انھیں اُن کی والدہ ملیں، پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: حضور کے کام سے ایک جگہ جا رہا ہوں، ان کی والدہ نے دریافت کیا: کون سا کام ہے؟ انسؓ نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں نبی ﷺ کا راز کسی کے سامنے افشاء نہیں کر سکتا۔

ضرورتیں پوری کرنا

واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔ بھلائی کرو کیونکہ اللہ پاک بھلائی کرنے والے اور نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔

قال علیہ السلام: لئن امشی مع اخي فی حاجة حتی اثبتھا له احب الی من ان اعتکف فی مسجدی ہذا شہرا۔ (طبرانی: 13468) میں اپنے کسی بھائی کی ضرورت کے لئے جا کر اُسے پورا کروں یہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اپنی اس مسجد میں ایک مہینہ کا اعتکاف کروں۔

من کان فی حاجة اخیه کان اللہ فی حاجتہ۔ (بخاری: 2442) جو

راز کی بات

مشہور بات ہے کہ: راز جب ”دو چیزوں“ سے تجاوز کرتا ہے تو شائع ہو جاتا ہے۔ لطیفہ ہے کہ: کسی نے پوچھا کہ یہ ”دو چیزیں“ کیا ہیں؟ اُس نے اپنے دونوں لبوں (ہونٹ) کی طرف اشارہ کیا اور کہا: یہ دونوں۔

ایسا نہیں ہوتا ہے کہ آپ نے ایک شخص کے کان میں رازداری سے ایک بات کہی اور اُس سے وعدہ لیا کہ وہ کسی کو نہیں بتائے گا، پھر ایک دن اچانک وہ آپ کے پاس آ کر کہنے لگا: معاف کرنا! میں آپ کے راز کی حفاظت نہیں کر سکوں گا، میرے اندر اس کی طاقت نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے دل اور سینے پر ہاتھ رکھ کر کہے گا: یا خدا کی قسم! اگر میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیا جائے، میری گردن پر تلوار رکھ دی جائے، موت میرے سامنے آ کر کھڑی ہو تو بھی میں یہ راز کسی کے سامنے نہیں کھولوں گا۔ جب آپ اس سے مطمئن ہو گئے، اس پر اعتماد کر لیا، تو پھر

شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے اللہ پاک اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔ محمد بن عبد اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ رحیم نفس، داعی زبان، مہربان دل اور خوشگوار موڈ کے ساتھ معاملہ فرماتے، ایسا لگتا جیسے آپ اور آپ کے اصحاب جسد واحد کی طرح ہیں، وہ فقیر کے فقر کو، غمگین کے غم کو، مریض کے مرض کو اور محتاجوں کی حاجت کو خوب اچھی طرح محسوس کرتے۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ: محمد ﷺ کا گھر میں کیا حال ہوتا؟ آپ نے جواب دیا: کہ محمد ﷺ گھر میں اپنے اہل و عیال کی حاجت میں مشغول رہتے۔ (بخاری: 676)

ڈنک مارنے والا انسان

لوگ اس سے بہت نفرت کرتے ہیں، کوئی اسے پسند نہیں کرتا، کوئی اس کے شر اور تکلیف سے مامون نہیں، اگر آپ اس کے ہاتھ سے بچ بھی گئے تو اس کی زبان سے محفوظ نہیں رہ پائیں گے، اگر اس نے آپ کی موجودگی میں اپنی زبان کا نشتر نہیں چلایا تو آپ کے غائبانہ میں آپ کے پشت پر ضرور تیر مار دے گا، وہ بڑا بے حیاء انسان ہے۔ جب آپ لوگوں کے احوال میں غور کریں گے تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ہر انسان بچھو ہے، اگر وہ ڈنک نہیں مار رہا ہے تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔ متنبی کا شعر ہے۔

الظلم من شیم النفوس فان تجد

ذا عفة فلعله لا يظلم

ہر طاقت ور، ہر شان و شوکت والا اپنے سے نیچے والے اور کمزور کو نشانہ بناتا ہے، وہ اسے تکلیف و ایذا دینے پر تلا ہوا ہے، کبھی اسے ہاتھ سے مار دیا، کبھی اسے پیر سے ٹھوکر مار دیا، کبھی اسے طمانچہ رسید کر دیا، کبھی اس کی حقارت کر دی، گویا وہ شیر بن کر دندنارہا ہے۔ مالداروں میں اس صفت کے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو

غریبوں کو اپنے پاس بلا تکلف بٹھالیں، اس سے اچھے انداز میں باتیں کر لیں۔ ایک دن.... محمد ﷺ مجلس میں تشریف لائے اور فرمایا: جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم تو مفلس اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس نہ مال ہو نہ ہی کوئی سامان۔ محمد ﷺ نے فرمایا: میری امت کا مفلس اور نادار شخص وہ ہے جو قیامت کے دن بہت ساری نمازیں، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا۔

لیکن اس نے کسی کو گالی دے رکھی ہوگی، کسی کو مارا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کی جائیداد پر ظلماً قبضہ کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، چنانچہ اس کی نیکیاں ان حق داروں کو دے دی جائیں گی، اگر حقوق والوں کو حقوق ملنے سے پہلے اس کی نیکی ختم ہو جائے گی تو ان حق والوں کے گناہ اس کے سر ڈال دئے جائیں گے، پھر اسے جہنم کے گڑھے میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم: 6744)

اس دنیا کے اندر کچھ لوگ غصہ ور، کچھ لوگ ٹھنڈ مزاج، کچھ ذہین، کچھ غبی، کوئی عالم کوئی جاہل ہے۔ ظالم ہمیشہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ عدل کرنے والا ہے، بھلا انسان اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ عقلمند اور ذہین ہے، کشتی میں سوراخ کرنے والا یہ سوچتا ہے کہ وہ زمانہ کا سب سے بڑا حکیم و دانہ ہے۔ میں جب اپنی تعلیم کے آٹھویں سال میں تھا تو ایک دن میرے پاس ایک مہمان آئے، میں نے انھیں بٹھایا اور میرے پاس جو حاضر تھا ان کے سامنے پیش کیا، مجھے نہیں معلوم انھوں نے کہاں سے کون سی پڑھائی کی تھی، میں اُس وقت کسی مسئلہ کے لئے بہت پریشان تھا، کتابوں میں تلاشِ بسیار کے باوجود وہ مجھے نہیں مل رہا تھا، میں نے حضرت..... صاحب کا فون ٹرائے کیا، لیکن ان سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا، انھوں نے جب مجھے بہت پریشان دیکھا تو کہا: کسے فون کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: حضرت..... کو، انھوں نے کہا: استغفر اللہ! میں ہوں نا! مجھ سے کہئے، میرے ہوتے ہوئے ان سے کیا پوچھیں گے؟ پھر آگے جو کچھ ہوا وہ میں نہیں بتا سکتا۔ بس میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جاہل سے جاہل انسان بھی اپنے آپ کو فقیہ کامل سمجھتا ہے۔

در اصل یہاں پہونچ کر آپ کے ذمہ ایک کام آتا ہے کہ آپ کسی کے حسنِ ظن کا جنازہ نہ نکالیں، ان سے دشمنی نہ کریں، بلکہ جہاں تک ہو سکے ان جیسے لوگوں کے ساتھ بھی لطف و مہربانی کا معاملہ کریں، کوشش کریں کہ ان سے عداوت پیدا نہ ہو، کیونکہ آپ ان پر وکیل یا ان کے ذمہ دار نہیں بنائے گئے ہیں، کیا اس چھوٹی سی حیات میں اتنا وقت ہے کہ کسی کی دشمنی میں اپنے وقت اور اپنے خون کو برباد کیا جائے؟

زبان کی ٹھوکر

میں نے اس بات میں بہت غور کیا کہ لوگوں کے اندر آپسی عداوت و دشمنی، اختلاف و نزاع، ایک کا دوسرے کو پہاڑ سے زیادہ بھاری سمجھنا، ان کا دیدار، ان کی مجالست و ہم نشینی سے نفرت کی کیا وجہ ہے؟ میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ اس کی اصل وجہ انسان کی ”زبان“ ہے، اکثر جھگڑے اور خصومتیں بھائیوں، بیوی و شوہر اور رشتہ داروں کے درمیان صرف زبان کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔

ایک بادشاہ نے خواب دیکھا کہ اس کے سارے دانت گر کر ٹوٹ گئے ہیں، اس نے ایک معبر کو بلا کر اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو وہ فوراً اعدوٰ باللہ اعدوٰ باللہ کرنے لگا اور کہا کہ: آپ کی ساری اولاد آپ کے سامنے مرجائے گی، آپ کی بادشاہت میں آپ کے خاندان کا کوئی فرد آپ کے بعد نہیں بچے گا، اخیر میں صرف آپ ہی زندہ رہیں گے۔ بادشاہ غضبناک ہو کر چیخ پڑا اور حکم دیا کہ اسے سر عام کوڑے لگائے جائیں۔

پھر اس نے دوسرے معبر کو بلایا اور اس سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو اس نے مسکرا کر کہا: خوشخبری ہو، ماشاء اللہ بہت اچھا خواب ہے، بادشاہ سلامت! اس خواب کا

مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ دنوں تک جیئیں گے، آپ کی عمر اپنے اہل و عیال میں سب سے زیادہ ہوگی۔ چنانچہ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسے انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔

اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ دونوں تعبیریں حقیقتاً ایک ہی ہیں، لیکن دونوں معبروں کے بیان کرنے کا اسلوب و طریقہ بدلا ہوا ہے۔ جی! زبان تمام اعضاء کی سردار ہے۔ جناب محمد بن عبد اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

”جب صبح ہوتی ہے تو انسانی بدن کے تمام اعضاء بدن سے بہزار منت و سماجت کہتے ہیں: ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ اگر تم سلامت رہو تو ہم سلامت رہیں گے اور اگر تم ٹیڑھی ہو جاؤ گی تو ہماری خیر نہیں۔“

انسان کا نہ گوشت کھایا جاتا ہے، نہ اس کا چڑا کسی کام کا ہے، بس اس کے اندر ایک زبان کی مٹھاس ہے جو اسے کام کا بنائی ہوئی ہے، لہذا اپنی زبان پر ہمیشہ کنٹرول رکھیں، کیونکہ زبان کی حفاظت نہ کرنے سے انسان بہت سی مصیبتوں اور پریشانیوں میں پڑ جاتا ہے، کتنی ہی ایسی عورتیں ہیں جنہوں نے زبان درازی کی، اپنے شوہر سے منہ لگایا: مجھے طلاق دے کر دیکھو، اگر تم مرد ہو تو طلاق دو، وہ بے چارہ خاموش ہے، اسے دفع کر رہا ہے، جھڑک رہا ہے کہ اچانک عمارت گر گئی اور پھر طلاق.....

انسان پاؤں کی ٹھوکر سے نہیں مرتا لیکن زبان کی ٹھوکر سے مر جاتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بجا فرمایا تھا: زبان سے زیادہ کوئی چیز قید اور جیل میں رہنے کی لائق اور محتاج نہیں۔

علامہ ابن جوزیؒ نے فرمایا ہے: تعجب ہے کہ لوگ حرام کھانے، زنا اور چوری سے تو بچتے ہیں، لیکن زبان کو حرکت دینے اور زیادہ کلام کرنے سے نہیں بچتے، لوگوں کی عزتوں اور ان کی حرماتوں کو زبان سے پامال کرتے ہیں۔ حیرت ناک امر تو یہ ہے کہ حیوان کی زبان لمبی ہے لیکن وہ بول نہیں سکتا اور انسان کی زبان بہت چھوٹی ہے لیکن وہ کبھی خاموش نہیں رہتا۔

جادو

عقلاء کہتے ہیں ماہر اور تجربہ کار تاجر کی ایک خاص صفت یہ ہوتی ہے کہ اس کی زبان میں جادو ہوتا ہے، وہ خریدار کو اپنے سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے، اس سے خوش اسلوبی سے بات کرتا ہے اور اپنی باتوں سے سامان کو زیادہ سے زیادہ قیمت میں فروخت کر سکتا ہے۔ تجربہ کار لوگ کہتے ہیں کہ سکریٹری اور پرائیوٹ اسسٹنٹ کی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ اس کی زبان میٹھی ہو، اس کا کلام شیریں ہو جو کانوں کو حیرت میں ڈال دے۔ بہت سی بیویاں اپنے شوہر پر لٹو ہوتی ہیں، اس لئے نہیں کہ شوہر اسے بہت زیادہ عیش و آرام میں رکھتا ہے، یا اس لئے نہیں کہ وہ بہت حسین و جمیل ہے، بلکہ اس لئے کہ وہ اپنی باتوں سے اسے مسحور کر دیتا ہے۔

مجھے ایک نوجوان کی یاد آرہی ہے جسے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کی عجیب مہارت تھی، لوگ تو لوگ، کتنی ہی لڑکیاں اس پر اپنی جان نچھاور کرتی تھیں، اس لئے نہیں کہ اس کے پاس BMW کا رتھی اور وہ سب کو اس میں گھماتا تھا، آپ اسے خوبصورت نہ سمجھیں، اللہ نہ کرے آپ اس کو دیکھیں۔

در اصل اس کی زبان میں اتنی شیرینی اور طاقت تھی کہ جو بھی اس کی بات سنتا وہ Impress ہو ہی جاتا۔ اگر وہ پتھر سے بات کر لیتا تو وہ بھی شق ہو جاتا، اگر کسی نہر نے اس کی آواز سنی ہوتی ہو وہ جوش میں آ کر سمندر بن جاتی، شکار تک اس کی آواز پہنچ جاتی تو شکار خود بخود مطیع بن جاتا۔

بخدا سچ فرمایا اللہ کے نبی ﷺ نے: ان من البیان لسحرا۔ کہ کلام میں ایک جادو ہوتا ہے، جی ہاں! اپنی باتوں میں اثر پیدا کریں، کیسے؟ کسی نے آپ سے قلم مانگا، آپ نے کہا: جی جی! بالکل یہ لیجئے۔ اس طریقہ و

اسلوب کی مشق کریں، اپنی ماں کے ساتھ نرم و سہر د کلام کریں، والد کے ساتھ، بیوی کے ساتھ، اولاد کے ساتھ اور دوستوں کے ساتھ بھی۔ کیونکہ یہ طریقہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، بلکہ اس سے آپ دوسروں کو مسحور و متاثر کر دیں گے اور ان کے دل میں اگر خدا نخواستہ کدورت و میل ہوگی تو وہ بھی دور ہو جائے گی۔

جس طرح آپ کھانے کے لئے اچھے پھل پسند کرتے ہیں اسی طرح بات کرنے کے لئے بھی اچھا کلام منتخب کریں، اگر آپ کسی کی حالت کو نہیں بدل سکتے تو کم سے کم اچھی بات کر دیں۔ کتنی بڑی بات ہوگی کہ آپ کے پاس کوئی آدمی اپنی حاجت لے کر آئے پھر وہ آپ کی سخت کلامی اور درشت مزاجی کی وجہ سے اپنی ضرورت پوری کئے بغیر ہی واپس چلا جائے۔

دوسروں کی ضرورت پوری کرنا بہت بڑی عبادت ہے، لیکن آپ تمام لوگوں کی ساری ضرورتیں پوری نہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ کسی کو ایسی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے جسے آپ پوری نہ کر سکیں، ظاہر ہے آپ سب لوگوں کو مال و دولت تو نہیں دے سکتے، نہ ہی آپ کو اس پر قدرت ہے، آپ سفر میں ہے تو سب لوگوں کو اپنی سیٹ پر نہیں بٹھا سکتے، آپ سے کسی نے موبائل، گھڑی یا قلم مانگا، ظاہر ہے آپ اسے یہ نہیں دے سکتے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ اگر ان کی ضرورتیں کسی وجہ سے پورا نہیں کر سکتے ہیں تو لوگ آپ کی مذمت کرنے لگتے ہیں، کوئی آپ پر بخل کا الزم لگائے گا، کوئی آپ کو متکبر اور گھمنڈی کہے گا، کوئی.....

اس وقت کیا کرنا چاہئے.....؟؟

اس وقت اور اس مرحلہ پر آپ حسین انداز میں وہاں سے الگ ہو جائیں، آپ اس کی حاجت روائی نہیں کر سکتے تو اسے اچھی بات کہہ دیں، خوبصورت کلام سے اس کے دل کو یہ احساس دے دیں کہ آپ نے گرچہ اس کی ضرورت پوری نہیں کی، لیکن آپ کی محبت اس سے جڑی ہوئی ہے۔

لا خیل عندک تہدیہا ولا مال

فلیسعد النطق ان لم تسعد الحال

مثلاً آپ کسی شہر جا رہے ہیں، ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ: بھائی! میرے لئے وہاں سے فلاں سامان لا دینا۔ جب کہ آپ اس کا سامان کسی وجہ سے نہیں لا سکتے تو آپ اسے کیا کہیں گے...؟

فلیسعد النطق ان لم تسعد الحال۔ (اگر آپ اس کی ضرورت پوری نہیں کر سکتے تو کم سے کم اسے اچھی بات کہہ کر رخصت کریں۔) آپ اس سے کہیں: بھائی! میں ضرور لا دیتا، میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں، لیکن کیا کروں؟ میرے پاس وقت اتنا کم ہے کہ میں اس سے مجبور ہوں، میرے پاس اتنا کام اور اتنا سامان ہے کہ میں نہیں کر سکتا..... آپ مجھے معذور سمجھیں۔

آپ کو کسی نے رات میں ولیمہ کی دعوت دی، آپ نہیں جانا چاہ رہے ہیں، اگر اس سے معذرت کریں تو وہ برا سمجھے گا، آپ اسے پہلے کچھ تمہیدی مقدمات کہیں: بھائی! تم میرے حقیقی بھائی کی طرح ہو، میرے دل میں تمہاری بہت وقعت ہے، لیکن کیا ہے نا کہ.... اللہ آپ کو جزائے خیر دے، میرا عذر قبول کریں، مجھے رات میں بہت کام ہیں۔ اور یہ جھوٹ بھی نہیں ہوگا، کیونکہ ظاہر ہے رات میں آپ کو کچھ کام رہتے ہیں، جیسے بیوی بال بچوں کے ساتھ بیٹھنا، کچھ مطالعہ کرنا اور سونا وغیرہ۔

خوش کلامی اور جادو بیانی میں سے یہ بھی ہے کہ آپ سامنے والے کے ساتھ لطف و مہربانی کا معاملہ کریں۔ کہتے ہیں کہ:

ایک ضعیف بوڑھیا اجڑے مکان، بوسیدہ چھت، خستہ در و دیوار اور بہت پرانے گھر میں لیٹی ہوئی تھی، اس کے ساتھ اس کا بوڑھا شوہر بھی تھا، وہ ٹٹلک چھت کو دیکھ رہی تھی، اس نے شوہر سے کہا: پتہ ہے میں کیا تمنا کرتی ہوں؟ شوہر نے کہا: کیا تمنا کرتی ہو؟ بوڑھیا نے کہا: میری خواہش اور آرزو ہے کہ ہمارا ایک عالیشان گھر ہو تا جس میں ہمارے بچے کھیل رہے ہوتے، تمہارے دوست تم سے

ملنے آتے، ہمارے پاس ایک شاندار کار ہوتی جس میں بیٹھ کر ہم سیر کے لئے جایا کرتے۔ وہ بے چاری بوڑھیا یہی سب سنانے لگی اور بوڑھا خاموشی سے سن کر دانت پیتا گیا۔

جب بیوی نے اپنی بات پوری کر لی اور اپنے سارے ارمانوں کا ذکر کر دیا تو شوہر سے پوچھا کہ: تمہاری کیا تمنا ہے؟ بوڑھے نے کہا: میری تمنا یہ ہے کہ چھت میں جو نیم ٹٹک رہی ہے وہ تمہارے سر پر آکر گرے اور تمہارا سر دو حصوں میں کر دے۔

اس بے چارہ بوڑھے کو نہ تو مہارت کلام تھی نہ ہی دل جیتنے کا سلیقہ۔ محمد ﷺ سے پوچھا گیا کہ: جہنم میں لوگ سب سے زیادہ کس کی وجہ سے داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ”زبان“ اور شرمگاہ۔

دونوں آنکھوں سے دیکھیں

ہر مدرس اور ٹیچر غبی و بلید، تاخیر سے آنے والے، کلاس سے اکثر غائب رہنے والے طالب علم کی مذمت اور برائی کرتا ہے، لیکن بہت کم ہی ایسے مدرس ہوتے ہیں جو محنتی، جلدی اور سویرے درس گاہ میں آنے والے، خوش خط، خوش کلام اور ذہین طالب علم کی تعریف کرنے والے ہوں۔ ہم میں سے اکثر لوگ اپنی اولاد کو غلطیوں پر ضرور ٹوکتے ہیں لیکن جب وہ کوئی اچھا کارنامہ انجام دیتے ہیں تو ہم اس وقت متنبہ نہیں ہوتے، ہم اس وقت ان کی حوصلہ افزائی اور تعریف نہیں کرتے۔

اس طرح سے ہم دلوں کو موہ لینے کے بہت سے مواقع کو گنوا دیتے ہیں۔ جب کہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کی مہارت و صلاحیت میں سے یہ بات ہے کہ آپ لوگوں کو ان کی اچھائی و خیر پر مبارک باد دیں۔

آپ بھی سنیں

جس طرح مسکرا کر ملنا، خوبصورت اور اچھے انداز میں بات کرنا لوگوں کے دلوں کو جذب کرتا ہے، اسی طرح دوسرے کی بات کو غور سے سننا بھی انسان کی عظمت میں چار چاند لگا دیتا ہے، بہت سے لوگ کم گو ہوتے ہیں، آپ کسی مجلس یا محفل میں انھیں بات کرتے ہوئے نہیں سنیں گے، اگر آپ اسے کہیں دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ صرف سر یا آنکھ ہلا رہے ہیں، یا مسکرا رہے ہیں، کبھی منہ کے اشارہ سے کوئی تاثر ظاہر کر رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ ہر دل عزیز ہیں۔ پتہ ہے کیوں...؟

اس لئے کہ ان کے اندر یہ مادہ ہے کہ وہ مخاطب کے کلام کو اہمیت دیتے ہیں۔ ذرا ملاحظہ کریں:

ایک شخص کو آپ اپنے ساتھ پیش آیا واقعہ سنارہے تھے، اس نے آپ کی بات کاٹ کر کہا: ارے ہاں! میرے ساتھ بھی بالکل ایسا ہوا تھا۔ آپ نے کہا: ذرا صبر کرو! پوری کہانی تو سن لو، وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر اس نے آپ کی بات منقطع کر دی اور کہا: ہاں ہاں! میرا بھی یہی مسئلہ ہوا تھا کہ میں جب وہاں گیا.... آپ نے کہا: بھائی! پہلے پوری بات تو سنو، پھر آپ اسے اپنی کتھاسنانے لگے لیکن پھر اس سے صبر نہیں ہوا اور وہ بیچ میں بول پڑا: ہاں ہاں! جلدی ختم کرو۔

دوسرا شخص.... جب آپ اس سے بات کر رہے تھے تو وہ کبھی دائیں دیکھتا کبھی بائیں توجہ کرتا، کبھی اپنا موبائل نکال کر اس میں مصروف ہو جاتا، کبھی کچھ کبھی کچھ....

تیسرا شخص.... جب آپ اس سے مخاطب ہوئے تو اس نے ساری توجہ آپ پر صرف کر دی، وہ آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آپ کی بات بہت غور سے سننے لگا، کبھی خوشی سے اپنا سر ہلاتا، کبھی مسکرا دیتا، کبھی ہونٹوں کو تعجب سے ملا لیتا، کبھی درمیان میں کہہ دیتا: واہ ماشاء اللہ!۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی قوم قرآن کی تلاوت قرآن اور حفظ میں بہت فائق تھی، تا آنکہ بہت سے صحابہ سے فوقیت لی گئی تھی، ایک رات وہ لوگ محمد ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، جب صبح ہوئی اور وہ لوگ محمد ﷺ کے پاس جمع ہوئے تو آپ نے ان کے اس عمل پر ان کی تعریف فرمائی۔

ایک روز آنجناب ﷺ نے ابو موسیٰ سے فرمایا: میں نے رات میں تمہارا قرآن سنا، تمہیں لحن داؤدی سے نوازا گیا ہے۔

عمر بن تغلب ایک عام صحابی.... ابو بکرؓ کی طرح فائق نہیں تھے یا عمرؓ کی طرح شجاعت میں ممتاز نہیں تھے یا ابو ہریرہؓ کے قوت حافظہ سے ان کا مقابلہ نہیں تھا، لیکن ان کے دل میں ایمان کی شمع روشن تھی۔

ایک دن وہ محمد ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس کچھ مال آیا، آپ انھیں اپنے اصحاب میں تقسیم فرمانے لگے، لیکن اس طرح کہ کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ لوگوں کو نہیں۔ شاید کہ جن لوگوں کو آپ نے اس عطیہ سے محروم فرمایا ان کے دل میں کوئی بات آگئی، جب محمد ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا: بخدا! میں کچھ لوگوں کو دیتا ہوں اور کچھ لوگوں کو نہیں، کیونکہ میں جنہیں چھوڑ دیتا ہوں ان کے لئے اس دئے جانے والی چیز سے اچھا پسند کرتا ہوں، میں کسی کے دل میں گھبراہٹ دیکھتا ہوں تو اسے عطاء کر دیتا ہوں، اور کچھ لوگوں کو ان کے دل میں خیر ہونے کی وجہ سے اللہ کے بھروسے پر چھوڑ دیتا ہوں، اسی میں سے عمرو بن تغلب ہیں۔ جب عمروؓ نے سر مجلس اپنی تعریف سنی تو خوش ہو گئے۔

آپ بتائیں کہ ان میں سے آپ کس کے ساتھ ملنے، بات چیت کرنے، زیارت و ملاقات کرنے میں دل چسپی لیں گے؟ بلاشبہ وہ تیسرا آدمی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے دلوں کو جذب صرف انھیں اچھی بات اور پسندیدہ کلام سنا کر نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کی پسندیدہ اور دل چسپ باتوں کو غور سے سن کر بھی کیا جاتا ہے۔

ایک شخص بہت بڑا واعظ تھا مگر اسے صرف بولنے کی عادت تھی وہ کبھی کسی کی کوئی بات سنتا نہیں تھا، بس اپنی باتیں سناتا تھا، مگر اس کے کلام میں اتنی چاشنی تھی کہ جو بھی اس کی تقریر سنتا مسحور ہو جاتا، لیکن ان کی بیوی ان سے خوش نہیں تھی، کیونکہ وہ کبھی بیوی کی کوئی بات، اس کی تکلیف اور اس کی خوشی کو سنتا ہی نہیں تھا۔

ایک دن کہیں جلسہ تھا، واعظ صاحب نے اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لے لیا، وہ بے چاری عورتوں کے مجمع میں جا کر بیٹھ گئی، ادھر ان کے میاں صاحب نے تقریر شروع کی، ان کی تقریر اتنی اچھی دل پذیر تھی کہ لوگ سن رہے تھے اور عرش عرش کر رہے تھے۔

جب جلسہ ختم ہوا تو یہ صاحب اپنی بیوی کو لے کر چلے، جیسے ہی وہ سواری میں بیٹھے، واعظ نے مجمع، بھیڑ اور جلسہ کی تعریف شروع کر دی جب اس نے اپنی بات پوری کر لی تو بیوی سے پوچھا کہ جلسہ کیسا لگا؟ بیوی نے جواب دیا: بہت اچھا تھا مگر مقرر کون تھا؟ واعظ نے حیرت سے کہا: میں تھا اور کون تھا؟ کیا تم نے میری آواز نہیں پہچانی؟ وہ میں ہی تھا محترمہ۔ بیوی نے کہا: تبھی تو میں بھی کہوں کہ کون ہے جو بولے ہی جا رہا ہے، اتنی لمبی تقریر ہو رہی ہے، چپ ہی نہیں ہو رہا ہے۔

لوگ شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کان ”دو“ اور زبان ”ایک“ ہی بنائی ہے، تاکہ بولنے سے زیادہ سنا جائے، لہذا کم بولنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اوائل بعثت میں..... جب مسلمانوں گئے چُنے تعداد میں تھے، ایک دن ضحاد نامی حکیم مکہ آئے جو پاگل پن اور جادو ٹونا کا علاج کرتے تھے، جب سفہاء مکہ نے ان کے سامنے محمد ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے: مجنون آگیا، ہم نے ایک پاگل دیکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ضحاد نے کہا: اے محمد! آؤ میں تمہارا علاج کر دوں، شاید اللہ تمہیں میرے ہاتھ سے شفاء دے دے۔ اور ضحاد آپ ﷺ سے مرض و علاج کے بارے میں باتیں کرے لگیں، محمد ﷺ خاموشی سے ان کی باتیں سنتے رہے، آپ نے درمیان میں ان سے کچھ نہیں کہا۔

جب انھوں نے اپنی بات پوری کر لی تو آپ گویا ہوئے: ان الحمد للہ، نحمدہ و نستعینہ، من یدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ، واشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ بیشک تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اس کی حمد و ثناء کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں، وہ جسے ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور وہ جسے گمراہ کر دے اسے کوئی سیدھا راستہ نہیں دکھا سکتا۔

ضحاد نے جب اس کلام کو سنا تو وہ چونک گئے اور حیرت زدہ ہو کر کہا: ذرا پھر سے یہی کلمات کہنا، نبی ﷺ نے پھر سے یہی کہا، ضحاد نے کہا: خدا کی قسم! میں نے کاہنوں، شاعروں اور جادو گروں کی باتوں اور ان کے کلام کو سنا ہے، لیکن یہ تو کوئی اور ہی سمندر جہاں آپ غوطہ زن ہیں، ذرا اپنا ہاتھ بڑھائیں کہ میں اسلام کی بیعت کروں۔ پھر انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے قبیلہ میں ایک داعی ہونے کی حیثیت سے واپس ہوئے۔

اس لئے آپ بھی ”سننے“ میں مہارت پیدا کریں، آپ اپنے تاثر کو

آنکھوں، پیشانی اور ہونٹوں کی حرکتوں سے بھی ظاہر کر سکتے ہیں، اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بولنے والا آپ کے تاثر کو جاننے کے لئے آپ کی طرف دیکھ کر انتہائی اہمیت سے گفتگو کرے گا۔

ہر بات کا جواب

آپ کو شاید اس سے واسطہ پڑا ہو کہ کبھی آپ کسی جگہ موجود ہوں اور دو لوگوں کے بیچ جھگڑا ہو گیا، ان میں سے ہر ایک دوسرے کو منہ توڑ جواب دے رہا ہے، کوئی خاموش ہی نہیں ہو رہا ہے، آوازیں بلند ہو گئیں، آنکھیں لال ہو گئیں، اور پھر دشمنی.....

دراصل انسان کو ہر بات کا جواب دینے سے گریز کرنا چاہئے، بہت سے مواقع پر خاموشی سے گزر جانا ہی عقلمندی ہے، یہ ہوشیاری نہیں کہ آپ کسی کے بہکاوے اور چیلنج Challenge میں آکر اپنا وقار برسر عام مجروح کر دیں، ہر بات کا جواب دینے والا ایسا ہوتا ہے جیسے نشیب و فراز والے پہاڑ پر چڑھنے والا۔ اسے چاہئے کہ پہلے ہاتھ اور پاؤں رکھنے کی مناسب جگہ تلاش کرے، پھر جس چٹان کو واسطہ بنائے گا اسے تلاش کرے، اس پر اپنا وزن ڈالنے سے اُس کی مضبوطی اور ثبات کا جائزہ لے، پھر جب ایک چٹان سے دوسری چٹان پر پاؤں رکھنے کا ارادہ کرے تو دھیان رکھے کہ کہیں پھسل نہ جائے۔

میں اس سلسلہ میں طویل بات نہیں کروں گا، کیونکہ بہترین گفتگو وہ ہے جو کم ہو اور جامع ہو۔ خلاصہ یہ کہ ہر بات کا جواب دینا، مخاطب کے بات کی تحقیق کرنا (کہ تم نے یہ نہیں بلکہ یہ کہا تھا یا تمہارا یہ انداز نہیں تھا وغیرہ وغیرہ) اور اس پر مخاصمہ کرنا غیر

پسندیدہ عمل ہے، شاید آپ اس بات میں مجھ سے متفق ہوں کہ 90% سے زیادہ جھگڑے غیر مفید ہوتے ہیں، اسی لئے ہمیشہ آپ کی کوشش ہو کہ جھگڑے سے اجتناب کیا جائے، جب آپ پر کوئی شخص اعتراض کرے یا آپ کو جھڑکے تو اس پر غصہ نہ کریں، بلکہ جہاں تک ہو سکے معاملہ کو سنجیدگی سے حل کر لیں، خواہ خواہ مخاطب اور سامنے والے کی نیت میں شک و تردید اور غور و فکر کر کے اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرنا اچھی بات نہیں ہے، کہ وہ مجھ سے چاہتا کیا ہے؟ مجھے اس نے لوگوں کے سامنے یہ بات کیوں کہی؟ اس طرح کی فکر میں اپنے آپ کو نہ ماریں، بلکہ اس جگہ نرم مزاجی اختیار کر کے بات کو ختم کر دیں، کیونکہ ہوائیں صرف چھوٹے چٹان کو ہی ہلا سکتی ہیں، آپ پہاڑ بن جائے جسے نہ کوئی ہلا سکے نہ ہی کسی کو اسے ٹلانے کی قدرت ہو۔

جب محمد ﷺ مکہ فتح کرنے کے لئے آئے اور راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا تو وہاں قریش کے کچھ افراد تجسس اور تحقیق حال کے لئے آئے، جن میں سرِ فہرست سردارِ مکہ ابوسفیان بھی تھے، جب حضرت عباسؓ کچھ سواروں کے ساتھ نکلے تو راستہ میں ابوسفیان ملے، وہ ان لوگوں کو دیکھ کر گھبرائے اور عباسؓ کی سواری پر ان کے پیچھے بیٹھ گئے، عباسؓ انھیں لے کر تیز تیز حضور کے پاس جا رہے تھے، انھیں خوف تھا کہ کوئی انھیں جلد بازی میں قتل نہ کر دے۔

جب وہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس سے گزرے تو عمرؓ نے ابوسفیان کو دیکھتے ہی کہا: اللہ کا دشمن ابوسفیان....؟ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اس پر بغیر کسی عقد و عہد کے قدرت دے دی۔ یہ لوگ عمرؓ کا لام سنتے ہی دوڑے اور محمد ﷺ کے پاس بھاگنے لگے، ان کے پیچھے پیچھے عمرؓ.....

وہ لوگ جلدی سے محمد ﷺ کے پاس چلے گئے، ان کے فوراً بعد ہی عمرؓ پہونچے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ ابوسفیان... مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن تن سے

ہر بات کی پرواہ

عام گفتگو یا نصیحت میں مختلف طرح کے لوگ ہوتے ہیں، کچھ سچے اور مخلص نصیحت کرنے والے ہوتے ہیں، کوئی آپ کو صرف غم میں مبتلا کرنے والا ہوگا، بعضے لوگ آپ کے حاسد ہوں گے، چند لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی گفتگو کا کوئی مطلب نہیں ہوتا، اسی لئے ہر شخص کی بات کی پرواہ کرنا، ہر انسان کی بات ماننا عقلمندوں کا کام نہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ اپنا گدھا بیچنے کے لئے جا رہا تھا، وہ دونوں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو ان لوگوں نے کہا: ارے ان دونوں کو تو دیکھو! گدھے کے ہوتے ہوئے دونوں پیدل چل رہے ہیں، انھیں ذرا بھی عقل نہیں۔ دونوں نے مشورہ کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ باپ گدھے پر سوار ہو جائے اور بیٹا اس کے پیچھے پیچھے پیادہ چلے۔ ایک گاؤں سے گزر رہا تو وہاں کے لوگوں نے کہا: کتنا سخت باپ ہے کہ خود سواری پر سوار ہے اور بیٹے کو پیدل چلا رہا ہے۔ چنانچہ باپ نے بیٹے کو گدھے پر بٹھادیا اور خود پیدل چلنے لگا، کچھ دور چلنے کے بعد پھر چند لوگ ملے تو انھوں نے کہا: بیٹے کو دیکھو! اس کو ذرا بھی شرم ہے؟ باپ تو پیدل چل رہا ہے اور بیٹا سواری پر۔ اب ان لوگوں نے سوچا کہ آخر کریں تو کیا کریں؟ بس وہ دونوں گدھے پر سوار ہو گئے، ابھی کچھ ہی دور چلے تھے کہ چند لوگوں سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا: اوہ! کیسا زمانہ آگیا ہے، ظلم کی انتہاء نہیں ہے، بے چارہ گدھے پر دو دو لوگ! اب دونوں باپ بیٹے کو بڑی فکر ہوئی کہ اب کیا کیا جائے؟ انھوں نے گدھے کو باندھا اور اسے اپنے کاندھے پر سوار کر لیا۔

کاش کہ آپ اس وقت ہوتے تو اُسے کہتے: اے بھائی! تمہیں جو سمجھ میں آئے

جدا کر دوں؟ عباسؑ نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اسے پناہ دی ہے، پھر وہ حضور سے سرگوشی میں بات کرنے لگے، ادھر عمرؓ بار بار کہہ رہے تھے: یا رسول اللہ! میں اسے قتل کر دوں؟ جب عمرؓ نے اسی جملہ کو بہت دفعہ دہرایا تو عباسؓ نے کہا: عمرؓ! بس کرو! بخدا اگر اس کی جگہ بنو عدی کا کوئی فرد ہوتا تو تم اس طرح نہیں کہتے۔ یعنی اگر ابوسفیان کی جگہ تمہارا کوئی رشتہ دار ہوتا تو تم اس کے قتل پر اتنا اصرار نہ کرتے، لیکن یہ چونکہ بنو عبد مناف کا ہے اسی لئے تم اتنا بول رہے ہو۔

اب عمرؓ نے سمجھ لیا کہ اس وقت جھگڑے میں پڑنا مناسب نہیں ہے، انھوں نے بہت نرمی سے کہا: عباس! رکو رکو! خدا کی قسم! تمہارا اسلام لانا مجھے میرے باپ کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارا اسلام قبول کرنا رسول اللہ کو خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے۔

بس بات ختم ہو گئی۔ حالانکہ عمرؓ اس مسئلہ کو طول دے سکتے تھے، وہ کہہ سکتے تھے کہ: تمہارا کیا مطلب ہے؟ کیا تم میری نیت پر شک کر رہے ہو؟ کیا تم میرے دل کی حالت سے واقف ہو؟ لیکن انھوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ عقلمندی یہ نہیں کہ آپ جھگڑے کے وقت مضبوط بن جائیں بلکہ خردمندی یہ ہے کہ آپ خصومت میں بالکل ہی نہ پڑیں۔

کرو، مخلوق کی بات اور ان کے خیال کی پرواہ نہ کرو، کیونکہ سب کی بات ماننے سے اپنا چین و سکون برباد ہو جائے گا۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی رائے اور خیال ظاہر کرنے سے پہلے ذرا بھی نہیں سوچتے، بس جودل میں آتا ہے بول دیتے ہیں۔ ایک آدمی آپ کی شادی کے بعد ملا: ارے! آپ نے فلا نہ سے نکاح کر لیا؟

کیوں بھائی؟ آپ کو کیا پریشانی ہو رہی ہے؟ اب تو نکاح ہو گیا نا؟ اب خاموش رہو۔

آپ نے کسی کے ہاتھ اپنی گاڑی فروخت کی، ایک آدمی نے آپ سے کہا: اوہ! آپ نے مجھے پہلے بتایا نہیں؟ اگر مجھے بتاتے تو اس سے زیادہ قیمت ملتی۔

بھائی! خاموش رہیں، اس نے تو اپنی گاڑی بیچ دی، معاملہ ختم، اب ادھر اُدھر آگے پیچھے التفات نہ کریں۔

مریٰ اول جناب نبی ﷺ لوگوں کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ فرماتے اور آپ نے اپنے اصحاب کو بلکہ آنے والی پوری قوم و ملت کا اسی کا سبق دیا ہے، دنیا کی اس بھیڑ میں آپ کو ان نفوس..... سے بھی ملاقات کا موقع ملے گا جو آپ کو اپنی توجیہات و ملاحظات سے پریشان کر دیں گے، خاص طور سے جب کہ وہ نصیحت شخصی اور ذاتی رائے پر مبنی ہو، یہاں آپ ان کی رائے تو سن لیں، لیکن کریں وہی جس کا آپ نے عزم کیا ہے، فاذا عزمتم فتوکل علی اللہ۔ اس جہاں میں سب کی رائے مانے جانے والی نہیں ہوتی، ہر بات کو سننا ضروری ہے، ہر بات پر عمل.....؟ تو ضروری نہیں، بلکہ بسا اوقات مہلک بھی ہے۔

مذاق

چونکہ مزاح اور مذاق کو معاملات میں بہت دخل ہے اور اس کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے، انسان اس تمدنی اور عائلی زندگی میں بھائیوں، دوستوں سے دل لگی و تفریح اور انسیت کے لئے کچھ مزاح کی باتیں کرتا ہے، لیکن بسا اوقات بلکہ اکثر دفعہ شریعت کے حکم سے ناواقفیت کی بناء پر اس کے حدود کی رعایت نہیں ہو پاتی، مزید یہ کہ تعاملِ ناس میں اس کو بڑا دخل ہے اسی لئے مناسب لگا کہ تھوڑی سی بات اس موضوع پر ہو جائے۔

جاننا چاہئے کہ شریعت میں وہ مزاح اور دل لگی محمود ہے جس کے اندر غلط اور جھوٹ بات کا دخل نہ ہو، مذاق کرنے سے انسان کا دل دماغ تر و تازہ ہو جاتا ہے، لیکن اس کی مقدار وہی ہونی چاہئے جو نمک کی کھانے میں ہوتی ہے۔ جناب محمد رسول اللہ ﷺ بھی اپنے اصحاب سے مزاح و دل لگی فرمایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ بھی ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں حق بات ہی بولتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی ﷺ سب سے زیادہ ہنس مکھ تھے۔

ایک بار آپ کے پاس ایک بڑھیا آئی اور کہنے لگی: میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ پاک مجھے جنت عطاء فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں پتہ نہیں کہ جنت میں بوڑھی عورت داخل نہیں ہوگی؟ وہ بے چاری رونے لگی، نبی ﷺ مسکرائے اور کہا: میرا مطلب یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے وقت بوڑھی نہیں ہوگی، کیا تم نے اللہ پاک کا فرمان نہیں پڑھا نا انشاءناھن انشاء فجعلناھن ابکارا عربا اترابا۔

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ: ایک بار ام ایمن نامی صحابیہ آپ کے پاس اپنے شوہر

کی کسی ضرورت سے آئی، محمد ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے شوہر کون ہیں؟ اس نے کہا: فلاں۔ آپ نے فرمایا: جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے؟ اس نے کہا: نہیں! اے اللہ کے رسول! ان کی آنکھوں میں سفیدی نہیں ہے، حضور نے فرمایا: ارے ہاں! ان کی آنکھوں میں سفیدی ہے۔ وہ عورت دوڑتی ہوئی اپنے گھر آئی، اس کے شوہر نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ محمد ﷺ نے مجھے بتایا کہ تمہاری آنکھوں میں سفیدی ہے۔ شوہر نے کہا: اری اللہ کی بندی! تم نہیں دیکھ رہی ہو کہ میری آنکھوں میں سیاہی سے زیادہ سفیدی ہے؟

اس طرح کا مذاق جس میں جھوٹ اور غلط باتیں شامل نہ کی جائیں، شریعت میں اس کی گنجائش ہے، لیکن اسی مذاق کی عادت ڈال دینا اور بہت زیادہ مزاح کرنا یا اس میں جھوٹ باتیں ملا دینا ناپسندیدہ، غلط اور بُرا ہے۔ اس کی مذمتیں وارد ہوئی ہیں، کیونکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس طرح کا ناپسندیدہ مذاق حقوق کو ضائع کرنے، قطع رحمی کا سبب بنتا ہے، مذاق کرنے والے کا وقار اور اس کی ہیبت ختم ہو جاتی ہے، ایسا شخص بے وقوفوں میں شمار کیا جانے لگتا ہے، بسا اوقات ایسا مذاق خود مذاق کرنے والے کی شرمندگی کا باعث بن جاتی ہے۔

ایک شخص سے آپ نے کچھ مذاق بات کہی جو بظاہر ہنسی کی بات کی تھی، لیکن اس نے آپ کی بات پر ہنسنے یا مسکرانے کے بجائے کہہ دیا کہ ”تو کیا ہونا چاہئے؟“ یا ”تو میں کیا کروں؟“ اور آپ کہنے لگے کہ: یار! میں نے تو ایک مذاق کی بات کہی ہے۔

آپ بتائیں کہ آپ کو اس وقت کس قدر شرمندگی اور خفت ہوگی؟ اسی لئے مذاق کرتے وقت خیال رکھنا چاہئے کہ یہ مذاق مخاطب کے حال و شان کے مناسب ہو، نیز یہ اپنی حد میں ہو کہ اس کا بہت زیادہ ہونا مہلک ہے اور جو بات کہی جائے وہ شریعت کے اصول سے متصادم نہ ہو۔

دعاء

میں یہاں دعاء کے فضائل و آداب اور اس کی قبولیت کی شرطوں کو نہیں بیان کروں گا، کیونکہ اس کو ”لوگوں کے ساتھ برتاؤ اور تعامل“ سے کوئی مناسبت نہیں ہے، میں یہ بتانا چاہوں گا کہ آپ دعاء کے ذریعہ کس طرح لوگوں کے دلوں کو جیتیں؟ حضور ﷺ کی دعاء ہے: اللھم اھدنی للاحسن الأخلاق، لا یھدی لأحسنھا الا انت۔ آمین

عموماً لوگ اپنے لئے دعاء کو پسند کرتے ہیں، اگر اسلام کے وقت آپ انھیں دعاء دے دیں تو انھیں خوشی ہوتی ہے۔ مثلاً آپ سے کوئی آدمی اپنے بچے کے ساتھ ملا آپ انھیں دعاء دیں: اللہ تمہاری اولاد کو تمہاری آنکھوں کا ٹھنڈک بنائے۔ آپ نے کسی کو اپنے والدین کی فرماں برداری کرتے ہوئے دیکھا اُسے دعاء دیجئے: جزاک اللہ، اللہ تمہیں ترقیات سے نوازے، تمہاری اولاد کو تمہارا فرماں بردار بنائے۔ امین

حضرت ابو ہریرہؓ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی والدہ کافر ہی رہ گئی، وہ روزانہ اپنی والدہ کو اسلام کی دعوت دیتے لیکن وہ انکار کر دیتی، ایک دن... وہ محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میں اپنی والدہ کو روزانہ اسلام کی طرف بلاتا تھا مگر وہ قبول نہیں کرتی تھیں، آج انھوں نے آپ کے بارے میں مجھے بہت برا بھلا سنایا اور ابو ہریرہؓ نے لگے، حضور نے ان کی والدہ کے لئے دعاء کی۔

جب وہ گھر گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا تو ان کی والدہ اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ کہتے ہوئے آئیں اور دروازہ کھولا، پس ابو ہریرہؓ اس حال میں

لوٹے کہ خوشی سے رو رہے تھے، انھوں نے آکر محمد ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کی دعاء قبول کر لی، اور ابو ہریرہ کی ماں کو اسلام کی توفیق دی۔ پھر انھیں نبی ﷺ نے دعاء دی: اللھم حبب عبیدک هذا وامہ الی عبادک المؤمنین وحببھم الیھما۔

بہت بات ہو چکی، اب چاہتا ہوں کہ آپ بھی میرے لئے دعاء فرمادیں، میں دعاؤں کا حد سے زیادہ محتاج ہوں، اگر آپ میرے لئے دعاء کریں گے تو یقیناً میری محبت آپ پر وقف ہو جائے گی تو ہاتھ اٹھا کر خدا سے میرے لئے مانگ دیں وہ ساری چیزیں جو نبی ﷺ نے خیر کے امور میں سے مانگی ہے، اور پناہ ان شرور و فتن سے جن سے افضل انسان نے اللہ کی پناہ مانگی ہے، اور پوری فرمائے خدا میری وہ تمنائیں اور آرزو جو جائز ہیں اور میرے دل کے نہاں خانوں میں ہیں۔ اور خاتمہ فرمائے میرا ایمان پر اور اس سنت پر جس کو لے کر محمد ﷺ تشریف لائے، جن کی اتباع ہی کامل و مکمل ہدایت ہے اور جس سے پھر جانا ضلالت و گمراہی ہے۔ آمین

خلاصہ کلام

☆ جس طرح آپ کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ آپ بہترین گفتگو کرنے والے بنیں، اسی طرح اس بات کی بھی کوشش کریں کہ آپ اچھے سننے والے بھی بنیں، کیونکہ دوسروں کی بات کاٹ کر صرف اپنی ہی بات سننا آپ کو بے حیثیت بنا دے گا۔

☆ کوشش کریں کہ آپ کا کلام بالکل صاف ستھرا، ژولیدگیوں اور اخلاقی آلائشوں سے پاک ہو۔

☆ وہ باتیں کریں جسے سامنے والا پسند کرتا ہو، ایسی گفتگو اور ایسا کلام نہ کریں جس سے مخاطب کو حرج یا جرح میں مبتلا ہونا پڑے۔

☆ ہم میں سے کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ عیوب و نقائص سے پاک ہے؟ ہر انسان بھول چوک کا پلندہ ہے، چنانچہ اگر آپ کسی کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں تو ایسا انداز اختیار کریں جس سے وہ یہ نہ سمجھے کہ آپ کے دل میں ”کچھ“ ہے۔

☆ حتی المقدور دوسروں کے محسن و معاون بنیں، اگر یہ نہ ہو سکے تو کم سے کم انھیں اپنی ایذا و تکلیف سے مامون رکھیں۔ حضرت امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ:

جانور تین قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) جن سے نفع تو درکنار، ان سے صرف نقصان ہی نقصان پہونچتا ہے۔ جیسے:

شیر، بھیڑ یا وغیرہ۔

(۲) جن سے نہ نفع ہے نہ ہی نقصان۔ جیسے: باز، عقاب یا جنگلی بلی وغیرہ۔

(۳) جن سے نقصان نہیں بلکہ نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ جیسے: گائے، بھینس اور

بکری وغیرہ۔

اگر آپ انسان نہیں بن سکتے ہیں تو کم سے کم اپنے اندر تیسرے نمبر والے جانور کی خصوصیت پیدا کریں۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دوسرے نمبر کے جانور بن جائیں، لیکن خدارا تیسری قسم کے جانوروں کی لسٹ میں اپنا نام درج نہ کروائیں۔

☆ مزاحی، تفریحی اور مذاق والی باتیں حد کے اندر کریں۔ کیونکہ حد سے زیادہ مذاق انسان کو بے حیثیت بنا دیتا ہے، اسی طرح اس بات کا بھی دھیان رہے کہ مذاق تمام لوگوں کو پسند نہیں ہے، اسی لئے مذاق کرنے سے پہلے کوشش کریں کہ کس سے مذاق کر رہے ہیں۔

☆ اپنے معاملات میں صاف ستھرے رہیں، تلون و تکلف سے گریز کریں، اس لئے کہ ایسا کرنا اس گھر بنانے کے مانند ہے جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ ایک دن منہدم ہو جائے گا۔

☆ بات کرنے اور تصرف کرنے میں تکلف سے دور رہیں۔

☆ بولنے سے پہلے سوچ لیں کہ آپ کیا بولنے جا رہے ہیں؟ کیونکہ یہ اس تیر کی طرح ہے جو کمان سے نکلنے کے بعد واپس نہیں ہو سکتا۔

☆ گفتگو کرتے وقت مناسب انداز اور ملائم تعبیر اختیار کریں۔

☆ اگر آپ کوئی نئی فکر و سوچ یا نصیحت پیش کرنا چاہتے ہیں تو اس کا انداز خاص طور پر لائق قبول ہونا چاہئے۔

☆ کسی کی بات میں خوب زیادہ گھُسنے سے بدگمان نہ ہوں۔

☆ اگر آپ کسی کے پاس اپنی ضرورت لے کر جائیں تو اصرار نہ کریں، کیونکہ اس سے آپ اس کی نظر میں بھاری اور بوجھ بن جائیں گے۔

☆ اپنی ضرورت پوری ہوتے ہی دوسرے سے کنارہ کش نہ ہو جائیں، ورنہ وہ آپ کو مطلبی، خود غرض اور Selfish سمجھیں گے۔

☆ ہمیشہ وعدہ پورا کریں۔ کیونکہ وعدہ خلافی مؤمن کی شان نہیں ہے۔

☆ غیبت سے اجتناب کریں۔ کیونکہ آپ جس کے سامنے کسی کی غیبت اوچھلی کر رہے ہیں اس کی نظروں میں گر جائیں گے، اس لئے کہ وہ سوچے گا کہ جس طرح آپ نے اس کے سامنے دوسرے کی بُرائی کی ہے اسی طرح کسی اور کے سامنے اُس کی بھی غیبت کر سکتے ہیں۔

☆ تواضع اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: من تواضع لله رفعه الله. جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ پاک اس کو بلند کرتے ہیں۔

☆ اگر آپ نے کوئی طاعت کام کیا یا سنت کی پیروی کی تو اس کے فوراً بعد اسی کی مؤید حدیث یا قرآن کی آیت پیش نہ کریں کہ اس سے ریا کا خوف ہے، مگر یہ کہ آپ استاد ہوں یا کسی کو تنبیہ کرنا مقصود ہو۔

☆ مہمان کو سلام کرنے کے بعد فوراً تشریف رکھنے کی درخواست کریں، اس کے بعد آنے کا مقصد یا اور باتیں کریں۔

☆ آپ کے انداز و اسلوب سے لوگوں کا اہتمام ظاہر ہو۔

☆ ارادہ کریں کہ ہمیشہ بشاش، خوش اور مسکراتے رہیں، کیونکہ یہ صفت آپ کو لوگوں کے درمیان قبولیت عطاء کرے گی، ان کی محبوبیت عنایت کرے گی اور آپ ان کے دل کے نہاں خانوں میں رہیں گے۔ لہذا ہمہ وقت مسکراتے رہیں۔ تو مسکرائیے نا..... الحمد للہ

اب تم سے رخصت ہوتا ہوں آؤ سنبھالو سازِ غزل
نئے ترانے چھیڑو اب میرے نغموں کو نیند آتی ہے